فوائدِ مکیہ

مع حاشیہ

توضیحاتِ مرضیہ

متن

امامِ فن استاذ الاساتذہ حضرۃ مولانا قاری عبد الرحمن مکی رحمۃ اللہ علیہ

حاشیہ

شیخ القرآء حضرۃ مولانا قاری محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدرسۃ القراء لاہور پاکستان

مکتبۃ القراءۃ لاہور

مع حاشیہ

توضیحات مرضیہ

متن

امام فن استاذ الاساتذہ حضرۃ مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی رحمۃ اللہ علیہ

حاشیہ

شیخ القرآء حضرۃ مولانا قاری محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدرسہ دار القرآء لاہور پاکستان

مکتبۃ القراءۃ لاهور

Computed By
daisydig@saudia.com

باب نمبر فصل نمبر موضوع

فہرست مضامین فوائد مکیہ

باب اول

باب دوم

ارشد تلامذہ نے محسوس فرمایا اور حلِ مضامین کے لیے حواشی اِرقام فرمائے۔ ان میں سے دو حاشیے خصوصیت کیساتھ قابلِ ذکر ہیں:۔

① تعلیقاتِ مالکیہ (از حضرت مولٰنا وشیخنا قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۷۹ھ)

② حواشی مرضیہ (از جناب مولٰنا قاری محب الدین احمد صاحب الٰہ آبادی مدظلہ العالی، حال صدر مدرس مدرسہ تجوید الفرقان، دریائی ٹولہ، لکھنؤ)

پھر ان میں سے بھی اوّل الذکر زیادہ مفصل اور نہایت ضروری حواشی پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں محشی رحمہ اللہ نے اس کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل فرمایا ہے جس میں بہت ہی اہم مباحث کو زیرِ قلم لائے ہیں فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ، لیکن سب جانتے ہیں کہ زمانہ جوں جوں آگے کی طرف بڑھتا جا رہا ہے توں توں طبیعتوں کے اندر آسانی کی تلاش پیدا ہوتی جا رہی ہے اور معلّمین و متعلّمین دونوں گروہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کیلئے آسان سے آسان تر اور وسیع سے وسیع تر راستہ کی تلاش میں نظر آتے ہیں، اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ پیش نظر کتاب پر ایک نیا حاشیہ لکھا جائے جو آسان بھی ہو اور بہ نسبت سابقہ حواشی کے مفصل بھی تاکہ دورِ حاضر کے متعلّمین اور ابتدائی معلّمین اس سے استفادہ کر کے کتاب کے مسائل کو کما حقہٗ سمجھ سمجھا سکیں۔

محشی کو اللہ کی رحمت سے امید واثق ہے کہ یہ حاشیہ طلبائے فن کیلئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ اور ایک بیش بہا تحفہ ثابت ہوگا۔ اور نہ صرف متعلّمین بلکہ معلّمین اور اصحابِ فضل و کمال بھی اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اسی امید پر اس کا نام "توضیحاتِ مرضیہ" تجویز کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما کر طالبینِ فن کیلئے نافع اور محشی کیلئے توشۂ آخرت بنائیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ، وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

اسالیب وخصوصیات

① چونکہ فوائدِ مکیہ ایک درسی کتاب ہے، اس لیے حاشیہ میں فن کے مشکل مباحث درج کرنے سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے۔ تاہم چونکہ یہ نصاب کی تیسری کتاب ہے اور طلباء اس سے پہلے دو کتابیں یعنی جمال القرآن اور معلم التجوید پڑھ چکے ہیں، اس لیے حلِ متن کیساتھ ساتھ اس بات کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے کہ طلباء کو کچھ نئی چیزیں بھی معلوم ہوتی چلی جائیں، یہ حاشیہ پوری تحقیق، بڑی عرق ریزی اور محنتِ شاقّہ کے ساتھ تالیف کیا گیا ہے۔ پوری کتاب میں شاید ایک مقام بھی ایسا نہ مل سکے جہاں ناظرین وضاحت کی ضرورت محسوس کریں اور ان کی ضرورت پوری نہ کی گئی ہو۔

② حاشیہ کے مضامین کو حتی الامکان عام فہم اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ حاشیہ میں بالعموم عربی عبارتیں درج نہیں کی گئیں، صرف ان کے مطالب کو اردو کا جامہ پہنا کر حاشیہ کا جزو بنایا ہے۔

③ بعض موقعوں پر خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی حواشی تحریر فرمائے ہیں، یہ کل پانچ حاشیے ہیں:۔ دو بسم اللہ کے بارے میں، ایک تعدادِ مخارج میں اختلاف کی نوعیت کے بارے میں، ایک غنہ اور نونِ مخفاۃ کے بارے میں اور ایک حرفِ ضاد کی ادا کے بارے میں ہے۔ ہم نے ان میں سے ایک حاشیہ کو جو بسم اللہ کے بارے میں تھا اور اردو میں تھا "توضیحات" کا اور ایک کو جو اختلافِ مخارج کی نوعیت کے بارے میں تھا، متن کا جزو بنا دیا ہے اور باقی تین میں سے ایک چونکہ عربی میں تھا اور دو تھے تو اردو میں مگر چونکہ وہ مفصل بھی تھے اور خاصے مشکل بھی، خصوصاً جو حرفِ ضاد سے متعلق تھا وہ تو اور بھی پیچیدہ اور مغلق تھا، طلبہ تو درکنار اساتذہ بھی ان کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے، اسلئے ان تینوں کو کتاب کے آخر میں اَلتَّکْمِلَۃ کے زیر عنوان درج کر دیا ہے، تاکہ معلّمین اور فہیم طلبہ اگر چاہیں تو استفادہ کر سکیں اور درمیانِ کتاب

میں ہونے کی وجہ سے کم استعداد طلبہ کیلئے ذہنی تشویش کا باعث نہ ہوں۔

④ فن کے جن مباحث پر معلم التجوید میں بقدرِ ضرورت تفصیل کیساتھ کلام کیا جا چکا ہے، ان کو اس حاشیہ میں دہرانے سے حتی الامکان اجتناب کیا گیا ہے اور ان تفصیلات کے معلوم کرنے کیلئے معلم التجوید ہی کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

⑤ جس طرح مؤلف رحمہ اللہ نے متن کے مضامین کو فصلوں میں تقسیم فرمایا ہے، اسی طرح حاشیہ میں بھی فصلیں قائم کردی گئی ہیں اور ناظرین کی سہولت کی خاطر حاشیہ میں نمبر بھی فصلوں ہی کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں صفحات کے اعتبار سے نہیں لگائے گئے۔

ایک ضروری گزارش

اصحابِ فضل وکمال سے گزارش ہے کہ ان حواشی میں اگر کہیں کوئی غلطی یا تسامح ملاحظہ فرمائیں تو اعتراض اور نکتہ چینی کے بجائے خیر خواہی اور شفقت علی الطلباء کے پیشِ نظر محشی کو آگاہ فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

تشکر و امتنان

میں اس موقع پر اپنے ان احباب اور مخلصین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے حاشیہ کی تالیف کے وقت کسی حیثیت سے بھی میری مدد کی یا اس کی طباعت کے لیے کوشش کی۔ بالخصوص حافظ محمد یار سرگودھوی، مولوی قاری محمد حیات ڈیروی اور قاری محمد فیاض مانسہروی ان میں سب سے زیادہ قابلِ تحسین اور شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت جانفشانی اور دلی خلوص کے ساتھ کتابتِ مسودہ کی خدمت انجام دی۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

اور ایسے ہی میں اُن اکابر کا بھی صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس حاشیہ کی تالیف میں میری علمی مدد فرمائی اور بعض مشکل مقامات میں جب مجھے رہنمائی کی ضرورت

محسوس ہوئی تو انہوں نے میرے استفسار پر نہایت مہربانی اور فراخدلی کے ساتھ بذریعہ مراسلات ان مقامات کو حل فرمایا۔ اس سلسلے میں حضرت مولٰنا قاری محب الدین احمد صاحب الہ آبادی اور حضرت مولٰنا قاری محمد سلیمان صاحب دیو بندی ثم سہارنپوری کے اسمائے گرامی خصوصیّت کیساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ بالخصوص اوّل الذکر مکرم نے تو بڑی عنایت فرمائی کہ انگلی میں تکلیف کے باوجود نہایت فراخدلی کے ساتھ میرے مکرّر سکرّر استفسارات کے جوابات ارقام فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو تادیر سلامت رکھے اور ان کے وجود کو اشاعتِ قرآن کا ذریعہ بنائے۔ آمین یاربّ العالمین

استدعا

میں اپنے ان تمام احباب اور دوستوں کی خدمت میں جو اس حاشیہ سے استفادہ کریں یا جن کے مطالعہ میں یہ حاشیہ آئے، نہایت ہی لجاجت اور منت کیساتھ درخواست کروں گا کہ محشّی پُرتقصیر کیلئے حسنِ خاتمہ اور فلاحِ دارین کی دعاء فرمائیں اور اگر یہ تالیف ان کے ہاتھوں میں محشّی کے مرنے کے بعد پہنچے تو قبر اور آخرت کی مشکلات کی آسانی اور ان کی کٹھن منزلوں سے پار ہو کر دخولِ جنت اور حصولِ رضائے مولیٰ کے لیے دعاء فرمائیں۔ کیا عجب ہے کہ کسی صاحبِ دل کی دعاء ہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے! اور ایسے ہی جن لوگوں نے اس حاشیہ کی تالیف میں میری مدد کی ہے اور اسکے منظرِ عام پر آنے کا ذریعہ بنے ہیں، ان کی طرف سے بھی ناظرین کی خدمت میں یہی درخواست ہے۔ ع

گر قبول افتد، زہے قسمت

العبد الضّعیف ابوالاشرف محمد شریف

ماڈل ٹاؤن ٥ لاہور

مقدمۃ الکتاب[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیْعِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیّٰتِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کو قواعدِ تجوید سے پڑھنا نہایت[2] ہی ضروری[3] ہے۔ اگر تجوید

حواشی مقدمہ

[1] کسی علم وفن کا وہ حصہ جس میں اس کے مبادی یعنی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور حکم وغیرہ، اس قسم کی چیزیں بیان کی جاتی ہیں جن سے آئندہ مضامین کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اسکو مقدمہ کہتے ہیں۔ چنانچہ مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اس عنوان کے تحت میں اسی قسم کی چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ۱۲

[2] لفظ "نہایت" اردو میں تاکید کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا تجوید کیساتھ پڑھنا، اسکے مؤکد ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے، جبکہ اسکا ضروری ہونا کتاب وسنّت اور اجماعِ امت، تینوں قسم کے دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے۔ وجوبِ تجوید پر دلائل اختصار کے ساتھ تو امید ہے کہ طلبہ اور ناظرین معلم التجوید میں پڑھ ہی چکے ہوں گے چنانچہ ارشادِ باری عزاسمہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ اور ارشادِ نبوی ﷺ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُّقْرَاَ الْقُرْاٰنُ کَمَا اُنْزِلَ (السیوطیؒ) اور ایسے ہی علّامہ جزری، ملّا علی قاری اور علّامہ ابو محمد مکی رحمہم اللہ کے ارشادات بھی اس سلسلہ میں وہاں ذکر کیے جاچکے ہیں اور اس بارے میں فقہائے کرام کے فتاویٰ کا خلاصہ بھی اِعْلَاءُ السُّنَنِ سے نقل کر کے درج کیا جاچکا ہے، یہاں ان کا اعادہ تحصیلِ حاصل ہے اور تفصیلی کلام اس موضوع پر ان شاء اللہ الرحمٰن "غَایَۃُ الْبُرْهَانِ فِیْ وُجُوْبِ تَجْوِیْدِ الْقُرْاٰنِ" میں آئے گا۔ ۱۲

[3] مگر یہ ملحوظ رہے کہ تجوید کے بعض اجزاء کا اہتمام فرض ہے اور بعض کا مستحب۔ چنانچہ مخارج

سے قرآن مجید نہ پڑھا گیا تو پڑھنے والا خطاوار[4] کہلائیگا۔ پھر اگر ایسی غلطی ہوئی کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل گیا، یا کوئی حرف گھٹا بڑھا دیا گیا، یا حرکات میں غلطی کی، یا ساکن کو متحرک، یا متحرک کو ساکن کر دیا ہو تو پڑھنے والا گنہگار[5] ہو گا۔

اور اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے لفظ کا ہر حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت[6] رہے صرف بعض صفات جو تحسینِ حرف سے تعلق رکھتی ہیں اور غیر مُمیّزہ[7] ہیں، یہ اگر ادا نہ ہوں تو

اور صفاتِ لازمہ کا اہتمام تو فرض ہے اور صفاتِ عارضہ کی رعایت مستحب کے درجہ میں ہے، کیونکہ اول کے ترک سے تو لحنِ جلی اور فسادِ معنیٰ لازم آتا ہے اور ثانی کے ترک سے صرف لحنِ خفی، مگر عرفاً دونوں ہی ضروری ہیں۔۱۲

[۴] جس چیز کا حکم قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہو، اسکے تارک کے خطاوار ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے، یہ تو ایک بدیہی امر ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جس طرح تجوید کے دو[۲] درجے ہیں: ایک فرض، دوسرا مستحب، اسی طرح گناہ اور خطاء میں بھی دو درجے قائم کیے جائیں: ایک حرام اور دوسرا مکروہ۔ کیونکہ فرض کا ترک حرام ہے اور مستحب کا ترک مکروہ۔۱۲

[۵] کیونکہ یہ غلطیاں وہ ہیں جو اہلِ فن کی اصطلاح میں لحنِ جلی کہلاتی ہیں اور ان سے لفظ و معنیٰ دونوں یا کم از کم لفظ تو ضرور ہی متاثر ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ تو ایسا بگڑتا ہے کہ اس کی عربیت ہی فوت ہو جاتی ہے اور قرآن کریم کی اس قدر تصحیح کہ اس کی عربیت قائم رہے، ضروری اور فرض ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف:۳)۔۱۲

[۶] یعنی ان مذکورہ بالا پانچ قسم کی غلطیوں میں سے کوئی غلطی نہ ہو، کیونکہ ان غلطیوں میں سے اگر کوئی غلطی ہوگئی تو پھر لفظ کا ہر حرف مع حرکت وسکون ثابت نہ رہے گا بلکہ یا تو حرف دوسرے حرف سے بدل جائیگا، یا اس میں کمی بیشی ہو جائیگی، یا ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل جائیگی اور یا پھر حرکت کی جگہ حرکت اور سکون کی جگہ سکون ثابت نہیں رہے گا بلکہ اسکے برعکس ہو جائیگا۔۱۲

[۷] یہاں غیر مُمیّزہ سے کون سی صفات مراد ہیں، اس بارے میں علمائے فن کی دو رائے ہیں:۔

خوفِ عِقاب اور تہدید[۸] کا ہے۔ پہلی قسم کی غلطیوں کو لحنِ[۹] جلی اور دوسری قسم کی غلطیوں کو لحنِ

① بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان سے مراد صفاتِ عارضہ ہیں کیونکہ مؤلف رحمہ اللہ نے ان کی عدمِ ادائیگی کو لحنِ خفی کہا ہے اور لحنِ خفی کا اطلاق صفاتِ عارضہ کی غلطی پر ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد صفاتِ لازمہ لی جائیں گی تو لازم آئیگا صفاتِ لازمہ کی غلطی کو لحنِ خفی کہنا، حالانکہ اہلِ فن نے مخارج اور صفاتِ لازمہ کی غلطی کو لحنِ جلی میں داخل کیا ہے۔

② اور دوسرے حضرات کی رائے میں یہاں غیر مُمیّزہ سے مراد صفاتِ لازمہ غیر مُمیّزہ ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اہلِ فن نے صفاتِ عارضہ کو غیر مُمیّزہ کا نام نہیں دیا۔

اگرچہ عارضہ مراد لینے والوں کی دلیل بظاہر قوی معلوم ہوتی ہے کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ لحنِ خفی کا اطلاق عموماً صفاتِ عارضہ کی غلطی پر ہی ہوتا ہے، تاہم اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بعض لازمہ بھی غیر مُمیّزہ ہوتی ہیں، اس لیے احقر کی رائے میں مناسب یہ ہے کہ یہاں غیر مُمیّزہ کو عام رکھا جائے، جس کے تحت میں لازمہ غیر مُمیّزہ اور عارضہ دونوں ہی کو داخل کیا جائے کیونکہ اگر یہاں پر غیر مُمیّزہ سے صرف عارضہ ہی مراد لیں گے تو کتاب سے لازمہ غیر مُمیّزہ کا حکم نہیں نکلے گا اور ایسے ہی اگر صرف لازمہ غیر مُمیّزہ مراد لیں گے تو اس سے یہ نکلے گا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے ترکِ مخرج اور ترکِ صفاتِ لازمہ کا حکم تو بیان فرمادیا لیکن ترکِ صفاتِ عارضہ کا حکم بیان نہیں فرمایا اور یہ تکمیلِ موضوع کے منافی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔۱۲

[۸] اگرچہ صفاتِ محسنہ کے ترک سے حرف میں کمی بیشی اور تبدیلی وغیرہ تو نہیں ہوتی لیکن چونکہ اس سے حرف کی خوبصورتی اور اسکا وہ حسن فوت ہو جاتا ہے جو عرفاً ضروری ہے، اس لیے خوفِ عِقاب و تہدید (یعنی سزا اور ڈانٹ ڈپٹ) کا اندیشہ تو اس صورت میں بھی بہر حال ہے ہی، لہٰذا ان غلطیوں سے بھی بچنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ تجوید کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو۔۱۲

[۹] لحن کا معنیٰ، لحن کی قسمیں، لحنِ جلی کو جلی اور خفی کو خفی کہنے کی وجہ، لحنِ جلی کی صورتیں، جلی اور خفی دونوں کا حکم، لحنِ جلی کی صورتوں کی مثالیں مع قدرے وضاحت، تجوید کیساتھ لحن کے ذکر کی وجہ، یہ سب کچھ آپ معلم التجوید میں پڑھ چکے ہیں، اسلئے اب یہاں ان کا اعادہ تحصیلِ حاصل ہے۔۱۲

خفی کہتے ہیں۔ تجوید کے معنیٰ[۱۰]: ہر حرف کو اپنے مخرج سے مع جمیع صفات[۱۱] کے ادا کرنا۔ اس کا موضوع[۱۲]: حروفِ تہجی۔ اور غایت: تصحیح حروف ہے۔ اور خوش آوازی سے پڑھنا امر زائد مستحسن[۱۳] ہے اگر قواعدِ تجوید کے خلاف نہ[۱۴] ہو، ورنہ مکروہ اگر لحنِ خفی لازم آئے۔ اور اگر لحنِ جلی لازم آئے تو حرام ممنوع ہے۔ پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک حکم[۱۵] ہے۔

[۱۰] یہاں "معنیٰ" سے مراد اصطلاحی تعریف ہے کیونکہ حروف کا ان کے مخارج سے نکالنا اور ان کی صفات کو ادا کرنا، تجوید کی اصطلاحی تعریف ہی ہے۔ ورنہ لغوی معنیٰ اسکے مطلق "سنوارنے اور عمدہ کرنے" کے ہیں۔ ۱۲

[۱۱] یعنی جس حرف میں جتنی اور جو جو صفات پائی جاتی ہیں ان سب کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ کیونکہ تجوید کا کامل درجہ یہی ہے کہ حرف کی تمام صفات کی رعایت رکھی جائے۔ ۱۲

[۱۲] موضوع کا مطلب اور ایسے ہی فن کے دوسرے مبادی مثلاً غایت اور ثمرہ وغیرہ، ان چیزوں کا بیان قدرے وضاحت کیساتھ معلم التجوید میں ہو چکا ہے، اسلئے یہاں اعادہ کی حاجت نہیں۔ ۱۲

[۱۳] خوش آوازی کو امر زائد فرمانا اس معنیٰ کر کے ہے کہ یہ تجوید کا جزو نہیں جیسا کہ ایضاح البیان لمعہ ایک حاشیہ نمبر۳ میں بیان ہو چکا ہے، مگر ایسا زائد بھی نہیں جو غیر مستحسن اور ناپسندیدہ ہو بلکہ مستحسن ہے جس کا مستحب ہونا احادیث، آثارِ صحابہ اور اکابر امّت کے ارشادات سے ثابت ہے۔ دیکھو معلم التجوید خاتمہ کی تیسری فصل۔ اور رسالہ ہذا کے خاتمہ میں بھی مؤلف رحمہ اللہ نے ایک مستقل فصل میں اس موضوع پر کلام فرمایا ہے۔ ٥٥٥٥٥

[۱۴] کیونکہ اصل مقصود تجوید ہی ہے اور خوش آوازی بھی اسی لیے مستحسن ہے کہ اس سے تجوید کو تقویت پہنچتی ہے اور وہ اسکے حصول میں مدو معین ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر قاری کی بے اعتدالی اور افراط و تفریط کی وجہ سے خود خوش آوازی ہی قواعدِ تجوید کے بگڑنے اور لحن (غلطی) کے پیدا ہونے کا سبب بن جائے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس خوش آوازی ہی کو ممنوع اور حرام یا مکروہ قرار دیا جائے گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ

[۱۵] جب قرآن کا غلط پڑھنا ناجائز اور ممنوع ہے تو ظاہر ہے کہ غلط خوان سے اسکا سننا بھی خصوصاً

بابِ اوّل

پہلی فصل: استعاذہ اور بسملہ کے بیان میں[1]

قرآن مجید شروع کرنے سے پہلے[2] استعاذہ ضروری[3] ہے اور الفاظ اسکے یہ ہیں: اَعُوْذُ

جبکہ سننے والے کی نیت حصولِ ثواب کی ہو، ناجائز ہی ہونا چاہیے۔ اسلئے فرمایا کہ پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم

حواشی فصل اوّل

[۱] اس بیان کے ضمن میں مؤلف رحمہ اللہ نے محلِ استعاذہ، حکمِ استعاذہ، الفاظِ استعاذہ، محلِ بَسمَلہ، اعوذ اور بسم اللہ کا وصل و فصل، بسم اللہ کا روایتِ حفص میں جزو ہر سورۃ ہونا، اعادۂ استعاذہ، اور کیفیتِ استعاذہ، یہ چیزیں اسی ترتیب سے نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمائی ہیں، البتہ حواشی میں ان مسائل کی بقدرِ ضرورت تفصیلات درج کردی گئی ہیں۔۱۲ ○○○○○

[۲] پس قراءۃ کی ابتداء "استعاذہ" کا محل ہے۔ خواہ "ابتدائے قراءۃ" ابتدائے سورۃ سے ہو، یا اجزائے سورۃ سے۔۱۲

[۳] اسلئے کہ ارشادِ باری ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ (نحل:۹۸) ترجمہ: "جب آپ قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں"۔ اب رہا یہ سوال کہ "ضروری" بمعنیٰ واجب ہے یا مستحب؟ سو بعض پہلے قول کے قائل ہیں اور اکثر دوسرے قول کے جیسا کہ محررِ فن علامہ جزری رحمہ اللہ طیبۃ النّشر (شعر:۱۰۶) میں فرماتے ہیں: وَاسْتُحِبَّ تَعَوُّذٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَجِبُ یعنی تعوذ مستحب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ واجب، اور ملّا علی القاری رحمہ اللہ نے اسکے مستحب ہونے کی یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ چونکہ قراءۃ قرآن جسکے لیے استعاذہ مشروع ہوا ہے واجب نہیں، اسلئے استعاذہ بھی واجب

بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ گو اور طرح[4] سے بھی ثابت ہے مگر بہتر یہ ہے کہ انہیں[5] الفاظ سے استعاذہ کیا جائے اور جب سورۃ شروع کی جائے تو بسم اللہ کا پڑھنا بھی ضروری[6]

نہیں بلکہ مستحب ہے۔ لیکن وجوب و استحباب کی یہ بحث صرف اعتقادی ہے ورنہ عملاً و عرفاً استعاذہ ضروری اور تلاوتِ قرآن کا شعار ہے۔ ۱۲

[۴] یعنی الفاظ میں تغیر یا زیادتی کر کے۔ تغیر کی مثال: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِہٖ اور زیادتی کی مثال: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہوسکتی ہے۔ ۱۲

[۵] یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کیساتھ۔ اور ان الفاظ کیساتھ بہتر اسلئے ہے کہ ان میں نص یعنی سورۂ نحل کے الفاظ کی مطابقت ہے اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ نحل والے الفاظ کی پوری مطابقت تو تب ہی ہوسکتی ہے کہ بجائے اَعُوْذُ کے اَسْتَعِیْذُ کہا جائے، کیونکہ نحل میں اِسْتَعِذْ ہے عُذْ نہیں، تو جواب یہ ہوگا کہ نحل میں استعاذہ کا امر کیا گیا ہے اسکے الفاظ تعلیم نہیں کیے گئے اور قرآن مجید میں جن موقعوں میں الفاظِ استعاذہ تعلیم کیے گئے ہیں وہاں اَعُوْذُ کا صیغہ ہی استعمال کیا گیا ہے نہ کہ اَسْتَعِیْذُ کا جیساکہ ارشادِ باری ہے: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ اور وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ وغیرہ۔ ۱۲

[۶] یہ حکم عام ہے، خواہ ابتدائے سورۃ ابتدائے قراءۃ میں واقع ہو یا درمیانِ قراءۃ میں، بسم اللہ کا پڑھنا ہر حال میں ضروری ہے۔ مگر ابتدائے براءۃ کا حکم یہ نہیں، وہ اس سے مستثنیٰ ہے جیساکہ آگے متن میں بھی ہے۔ البتہ اگر پہلی سورۃ کو ختم کر کے اس پر وقف کیے بغیر دوسری سورۃ کو اسی سانس میں شروع کیا جائے تو اس صورت میں بسم اللہ کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں قراءِ عشرہ کے دو گروہ ہیں: بعض اس صورت میں بھی بسم اللہ پڑھتے ہیں اور بعض اس حالت میں نہیں پڑھتے۔ پہلے گروہ کو اصطلاحِ قراء میں مُبَسمِلین اور دوسرے کو غیر مُبَسمِلین کہتے ہیں۔ حضرت حفص رحمہ اللہ جن کی روایت پاک و ہند بلکہ سارے جہان میں عام طور پر پڑھی جاتی ہے وہ پہلے گروہ میں ہیں۔ پس ان کی روایت میں ابتدائے سورۃ کی کوئی سی صورت بھی ایسی نہیں جس میں بسم اللہ نہ پڑھی جاتی ہو۔ اسی

ہے سوائے سورۂ براءۃ[۷] کے ۔ اور اوساط[۸] اور اجزاء میں اختیار ہے ، چاہے بسم اللہ پڑھے اور

عموم کو مؤلف رحمہ اللہ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے : [اور جب سورۃ شروع کی جائے تو بسم اللہ کا پڑھنا بھی ضروری ہے] ۔ اس رسالہ میں چونکہ مؤلف رحمہ اللہ کے پیش نظر انہی کی روایت کو بیان کرنا ہے ، اس لیے اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھی ۔ اب رہا یہ سوال کہ ہر سورۃ کی ابتداء میں بسم اللہ کے پڑھنے کی کیا دلیل ہے ؟ سو اس کی بہت ہی آسان اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو مصاحف میں ہر سورۃ کے شروع میں لکھا ہے ۔ اور شروع سورۂ براءۃ کے استثناء کی وجہ بھی اسی سے معلوم ہوگئی کہ اس موقع پر مصاحف میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے ۔

رہا یہ سوال کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو ہے ، یا مطلق قرآن کا ، یا اسکی کیا حیثیت ہے ، آیا یہ جزو سورۃ کی حیثیت سے نازل ہوئی ، یا اسکا نزول فصل بین السورتین کی غرض سے ہوا ؟ سو ان مباحث کا محل کتب فقہ و تفسیر ہیں ۔ قراءات کی کتابوں میں تو یہی چیز بیان ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا پڑھنا تواتر کے ساتھ ثابت ہوا ہے یا نہیں ، اور بس ۔ سو امام عاصم رحمہ اللہ کوفی جن کی ایک روایت حفص ہے ، ان کی قراءۃ میں بسم اللہ کا ہر سورۃ کے شروع میں پڑھنا ضروری ہے اور یہ بسم اللہ تواتر سے ثابت ہے ۔ لہٰذا اگر کسی سورۃ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے گی تو وہ سورۃ روایت حفص کے اعتبار سے پوری نہ سمجھی جائے گی ۔ جیسا کہ خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی آگے متن میں ایک مستقل فائدہ کے ضمن میں بیان فرمایا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔ ۱۲

[۷] سورۂ براءۃ کے حکم تسمیہ سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ تو اوپر حاشیہ نمبر ۶ کے ضمن میں معلوم ہو ہی چکی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس موقع پر باقی سورتوں کی طرح مصاحف میں بسم اللہ لکھی نہیں ، لہٰذا جیسے باقی سورتوں کی ابتداء میں تسمیہ ہر حال میں ضروری ہے ، ایسے ہی ابتدائے براءۃ میں عدم تسمیہ ہر حال میں ضروری ہے ۔ قراءات کی معتبر کتابوں مثلاً شاطبیہ اور النّشر وغیرہ میں یہ بات وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ کسی حالت میں بھی نہیں پڑھنی چاہیے ، خواہ ابتدائے توبہ سے قراءۃ کی ابتداء ہو یا ابتدائے توبہ درمیان قراءۃ میں واقع ہو ۔ چنانچہ علاّمہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

چاہے نہ پڑھے۔

وَمَهْمَا تَصِلْهَا اَوْ بَدَأْتَ بَرَاءَةً لِتَنْزِيْلِهَا بِالسَّيْفِ لَسْتَ مُبَسْمِلَا

ترجمہ: جب ملائے تو سورۂ توبہ کو کسی سورۃ سے یا ابتداء کرے سورۂ براءۃ سے، تو بسم اللہ نہ پڑھ، کیونکہ یہ سورۃ سیف یعنی حکمِ قتال کیساتھ نازل ہوئی ہے۔ (متن شاطبیہ: ۱۰۵)

اور نشر میں یہ چیز اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ ابتدائے براءۃ میں عام اس سے کہ قراءۃ کی ابتداء یہیں سے ہو یا انفال وغیرہ کے ساتھ اس کا وصل کیا جائے بسم اللہ بالاتفاق نہیں پڑھی جاتی۔ لیکن نشر ہی میں بعض حضرات کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ابتدائے توبہ سے ابتدائے قراءۃ کی صورت میں جوازِ تسمیہ کے قائل ہوئے ہیں اور اپنے اس قول کی صحت پر انہوں نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ عدمِ تسمیہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ براءۃ سیف وقتال کے ساتھ نازل ہوئی ہے یا اسلئے کہ تارکینِ بسم اللہ کے نزدیک سورۂ براءۃ کا بدون انفال کے مستقلاً ایک سورۃ ہونا قطعی طور پر طے شدہ نہیں ہے۔ پس اگر عدمِ تسمیہ بہ سبب نزولِ بالسیف ہے تو وہ مخصوص ہے ان کے ساتھ جن کیلئے نازل ہوئی یعنی کفار کیلئے اور ہم برکت کیلئے بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ اور اگر ترکِ بسم اللہ اس وجہ سے ہے کہ اسکا مستقلاً ایک پوری سورۃ ہونا قطعی اور یقینی نہیں ہے تو بسم اللہ اوائل اجزاء میں جائز ہے، پس بسم اللہ پڑھنے سے کوئی مانع نہیں ہے (تعلیقاتِ مالکیہ نقلاً من النشر)۔

خلاصہ یہ کہ سورۂ توبہ کی ابتداء میں ابتدائے سورۃ کی حیثیت سے تو بسم اللہ کا پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ اور بعض لوگ ابتدائے قراءۃ از ابتدائے براءۃ کی صورت میں جو تسمیہ کے قائل ہوئے ہیں وہ یا تو حق تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے قائل ہوئے ہیں اور یا اسلئے کہ اوائل اجزاء میں بھی تو آخر تسمیہ کر ہی لیا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ

[8] اوساط جمع وسط کی ہے اور اجزاء جمع جزو کی۔ وسط کے معنیٰ درمیان کے آتے ہیں اور جزو کے معنیٰ حصہ اور ٹکڑا کے۔ پس مطلب یہ ہے کہ کسی پارہ کے شروع سے یا درمیان سورۃ میں کسی اور جگہ سے اگر ابتدائے قراءۃ ہو تو اس صورت میں تسمیہ اور عدمِ تسمیہ ہر دو امر جائز ہیں اور یہ حکم سورۂ براءۃ کے وسط کو بھی شامل ہے کہ اس میں بھی تسمیہ اور اسکا ترک دونوں ہی صحیح ہیں۔ لیکن اوساط واجزاء

اعوذ اور بسم اللہ پڑھنے میں چار⁹ صورتیں ہیں: فصلِ کل، وصلِ کل فصلِ اوّل وصلِ ثانی، وصلِ اوّل فصلِ ثانی۔ جب ایک سورۃ کو ختم کر کے دوسری سورۃ شروع کرے تو تین صورتیں جائز ہیں اور چوتھی صورت جائز نہیں یعنی فصلِ کل۔ اور وصلِ کل اور فصلِ اوّل وصلِ ثانی جائز ہیں۔ اور وصلِ اوّل فصلِ ثانی جائز نہیں۔

فائدہ: امام عاصم رحمہ اللہ کے نزدیک جن کی روایت حفص تمام جہان¹⁰ میں پڑھی

میں بسم اللہ کا پڑھنا ابتدائے سورۃ کی طرح اسکا محل پائے جانے کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ اس حدیث کی بناء پر ہوگا جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ کام جو مہتم بالشان ہو اگر اس کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔

۹ یہ چار صورتیں ابتدائے قراءۃ از ابتدائے سورۃ کی صورت میں ہیں اور ان چاروں میں سب سے بہتر فصلِ اوّل وصلِ ثانی ہے (تنویر المراۃ)۔ اس لیے کہ اس سے بسم اللہ کا جزو سورۃ ہونا اور تعوذ کا غیر قرآن ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ اور اگرچہ اس صورت میں یہ چاروں جائز تو ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ تعوذ کا بسم اللہ وغیرہ سے وصل نہ کیا جائے۔ فن کی معتبر کتابوں میں تعوذ کے قراءۃ سے قطع کرنے کو مستحب بتایا ہے (دیکھو منار الہدیٰ، صفحہ: ۲۱)۔ اور اگر ابتدائے قراءۃ درمیان سورۃ سے ہو تو اس وقت صرف دو ہی صورتیں جائز ہیں یعنی: فصلِ کل اور وصلِ اوّل فصلِ ثانی۔ اور وصلِ کل فصلِ اوّل وصلِ ثانی، یہ دو صورتیں ناجائز ہیں اور یہ ناجائز اس لیے ہیں کہ اجزائے سورۃ بسم اللہ کا محل نہیں، یہاں تو بسم اللہ تبرکاً اور تیمناً ہی پڑھی جاتی ہے۔ ہاں بعض حضرات نے اس حالت میں بھی چاروں صورتیں جائز بتائی ہیں، لیکن پہلا قول ہی قوی معلوم ہوتا ہے اور قراءات کی معتبر کتابوں مثل اتحاف وغیرہ کے اسی کی تائید ہوتی ہے اور قراء کا عمل بھی اسی پر ہے۔ اور اگر ابتدائے سورۃ درمیانِ قراءۃ میں واقع ہو تو اسکا حکم خود کتاب میں موجود ہے۔ اس مسئلہ کی باقی تفصیلات معلم التجوید میں لکھی جا چکی ہیں، اسلئے یہاں ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ! ۱۲

۱۰ اسکی وجہ کہ ساری دنیا میں زیادہ تر روایتِ حفص ہی کیوں پڑھی پڑھائی جاتی ہے، شاید یہ ہو کہ چونکہ حضرت حفص رحمہ اللہ کی طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی علم قراءات میں امام عاصم رحمہ اللہ کوفی ہی

جاتی ہے، ان کے یہاں بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو ہے[11] تو اس لحاظ سے جس سورۃ کو قاری بلا بسم اللہ پڑھے گا تو وہ سورۃ امام عاصم رحمہ اللہ کے نزدیک ناقص ہو گی۔ ایسے ہی اگر سارا قرآن پڑھا جائے تو جتنی سورتوں میں بسم اللہ نہیں پڑھی ہے اتنی آیتیں قرآن شریف میں ناقص[12] ہوں گی۔

کے شاگرد ہیں، بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت حفص رحمہ اللہ دونوں ہم سبق بھی تھے، اس لیے ممکن ہے کہ احناف نے فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کیساتھ ساتھ قراءۃِ قرآن میں اپنے امام کے رفیقِ درس حضرت حفص رحمہ اللہ کی تقلید کی ہو اور ان کی قراءۃ کو اختیار کر لیا ہو اور پھر حرکات اور نقطے بھی اسی کے موافق لگائے گئے ہوں، پھر شوافع اور دوسرے ائمہ ہدیٰ کے مقلدین نے بھی سہولت کی وجہ سے اسی روایت کو اختیار کر لیا ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم! ۱۲

[11] مگر یہ جزئیت قراء تاً ہے نہ کہ اعتقاداً، کیونکہ اعتقاداً بسم اللہ کے جزو سورۃ ہونے میں فقہاء اور مجتہدین کا اختلاف ہے اور اعتقادی حیثیت سے یہ مسئلہ ہے بھی فقہی۔ اور اس بارے میں ائمہ مجتہدین کا مسلک وہاں ہی لائق مراجعت ہے۔ چنانچہ اس موقع پر خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی ایک حاشیہ ارقام فرمایا ہے، جس کو یہاں بلفظہٖ درج کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

> مگر یہ امر ظاہر ہے کہ بسم اللہ کا جزو ہر سورۃ ہونا امر قطعی نہیں، کیونکہ مجتہدین وفقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف جزو قرآن کے قائل ہیں اور شوافع جزو ہر سورۃ کے قائل۔ ایسے ہی ابن کثیر، عاصم، کسائی رحمہ اللہ کی طرف نسبت اعتقادِ جزو ہر سورۃ کا ہونا امر ظنی ہے، قطعی نہیں، کیونکہ کتبِ تفسیر اور قراءات کی کتابوں میں جن کے مؤلفین شافعی المذہب ہیں ان کا قول ہے کہ یہ قراء جزو ہر سورۃ کے قائل ہیں اور ان قراء سے روایت اعتقادِ جزئیت ہر سورۃ کی نظر سے نہیں گزری۔ البتہ بسم اللہ کی روایت ان قراء سے قطعی ہے اور اعتقادِ جزئیت مسئلہ فقہی ہے، علم قراءات سے اس کو تعلق نہیں۔ ۱۲ منہ انتہیٰ بلفظہٖ

[12] یہاں "ناقص" اردو محاورا کی رو سے خراب اور ردّی چیز کے معنٰی میں نہیں، بلکہ یہاں ناقص

۲ **فائدہ:** اگر درمیانِ قراءۃ کے کوئی کلام اجنبی[۱۳] ہوگیا، گو کہ سلام کا جواب ہی کسی کو دیا ہو تو پھر استعاذہ کو دہرانا چاہیے۔

۳ **فائدہ:** قراءۃِ جہریہ میں استعاذہ جہر[۱۴] کے ساتھ ہونا چاہیے اور اگر آہستہ سے یا دل میں استعاذہ کرلیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں[۱۵] (بعض کا قول ایسا ہے)۔

مقابل ہے "کامل" کا، جسکے معنیٰ نامکمل کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی جائے گی وہ سورۃ روایتِ حفص کے اعتبار سے نامکمل سمجھی جائے گی۔ یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ اس سورۃ کی ایک آیت تلاوت سے رہ گئی ہے اور جب روایتِ حفص میں بسم اللہ تلاوتاً ہر سورۃ کا جزو ہے تو اسکے نہ پڑھنے سے سورۃ سے ایک آیت کا کم ہو جانا ایک بدیہی امر ہے۔۱۲

۱۳ یعنی ایسا کلام جس کا تعلق قراءۃ سے نہ ہو۔ اور ایسے ہی اگر بلا وجہ سکوت ہو جائے تب بھی استعاذہ دہرانا چاہیے کیونکہ بلا وجہ سکوت سے اعراض عن القراءۃ لازم آتا ہے خواہ بعد میں پڑھنے کا ارادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور سکوت کہتے ہیں پڑھتے پڑھتے بہ نسبت وقف کے زیادہ دیر کیلئے ٹھہر جانے کو۔ ہاں اگر یہ سکوت معنیٰ کے افہام وتفہیم کی غرض سے ہو تو اس سورۃ میں استعاذہ کے دہرانے کی حاجت نہیں۔۱۲

۱۴ مگر نماز میں استعاذہ ہر حال میں بالسر ہی کیا جائیگا خواہ قراءۃ جہریہ ہو یا سریہ، یہ مطابقت غیر نماز کی حالت میں ملحوظ رکھی جائے گی۔۱۲

۱۵ اس قول کی صحت کی گنجائش اور ایسا کرنے میں حرج نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نحل کی آیت میں اطلاق ہے یعنی صرف استعاذہ کا حکم دیا گیا ہے، بالسر اور بالجہر کی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی، تاہم اولیٰ یہی ہے کہ استعاذہ قراءۃ کے تابع ہو۔

دوسری فصل: مخارج[1] کے بیان میں

"مخارج" حروف کے چودہ[2] ہیں:۔

پہلا مخرج	اقصیٰ حلق[3]	اس سے	ا ء ھ	نکلتے ہیں
دوسرا مخرج	وسط حلق	اس سے	ع ح	نکلتے ہیں
تیسرا مخرج	ادنیٰ حلق	اس سے	غ خ	نکلتے ہیں
چوتھا مخرج	اقصیٰ لسان اور اوپر کا تالو	اس سے	ق	نکلتا ہے
پانچواں مخرج	قاف کے مخرج سے ذرا منہ کی طرف ہٹ کر	اس سے	ك	نکلتا ہے
ان دونوں حرفوں کو یعنی ق اور ک کو حروفِ لہویہ کہتے ہیں				

حواشی فصل دوم

[۱] مخارج "مخرج" کی جمع ہے۔ مخرج کے معنیٰ، مخرج کی دو قسمیں یعنی محقق اور مقدر، ہر ایک کی تعریف، حرف کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ، اس کی قسمیں یعنی اصلی اور فرعی، مخارج کی تین اصلیں، اصل سے کیا مراد ہے، مخارج کی تعداد حروف کی تعداد سے کم کیوں ہے، دانتوں کے نام، ان کی ترتیبِ وقوعی، یہ اور اس فصل سے متعلق دوسری مفید تفصیلات چونکہ آپ معلم التجوید میں پڑھ چکے ہیں اسلئے اب یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، اگر یاد نہ رہی ہوں تو وہاں دیکھ لیں۔۱۲

[۲] مخارج کی یہ تعداد دیکھ کر طلبہ متحیر نہ ہو جائیں، کیونکہ اس سے پہلے فن کی جو کتابیں وہ پڑھ چکے ہیں، اُن میں مخارج کی تعداد سترہ[1] بیان کی گئی ہے۔ اس قول کی توجیہ اور دونوں قولوں میں تطبیق آگے خود متن میں آ رہی ہے۔۱۲

[۳] اقصائے حلق سے نکلنے میں ہمزہ اور ھاء کے ساتھ الف کو جو شریک کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ مخارج کو فرّاء کے مذہب کے موافق بیان فرما رہے ہیں اور فرّاء نے جوف کو مخرج نہیں مانا بلکہ اسکے حرفوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ اس طرح کہ واؤ اور یاء خواہ مدّہ ہوں خواہ غیر مدّہ، ہر حال

چھٹا مخرج	وسطِ لسان [۳]	اس سے	ج ش ی [۵]	نکلتے ہیں
ساتواں مخرج	حافہ لسان اور ڈاڑھوں کی جڑ [۶]	اس سے	ض	نکلتا ہے

میں ان کا مخرج ایک ہی بتایا ہے۔ ایسے ہی ہمزہ کی طرح الف کا مخرج بھی اقصائے حلق کو ہی قرار دیا ہے جیساکہ مخارج کے آخر میں فائدہ نمبر ایک کے ذیل میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔ البتہ اس سے ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس مذہب کی بناء پر حروفِ حلقی سات ہو جاتے ہیں حالانکہ مشہور یہ ہے کہ حروفِ حلقی چھ ہیں، مجوّدین اور صرفیین سب نے چھ ہی بتائے ہیں؟ تو حل اس شبہ کا یہ ہے کہ حروفِ حلقی ان ہی حرفوں کو کہا جاتا ہے جو بالاتفاق حلق کے مخرجِ محقق سے ادا ہوتے ہیں اور وہ چھ ہی ہیں۔ رہا الف؟ سو اسکا یہ حال نہیں، اس میں تحقیق یہ ہے کہ یہ ہوائی اور جوفی ہے۔ چنانچہ آگے خود متن میں بھی یہ چیز آرہی ہے کہ الف کیلئے کوئی مخرج محقق نہیں بلکہ یہ جوف سے ہی ادا ہوتا ہے، پس اب کوئی تعارض نہ رہا۔ ۱۲

[۴] اور اسکا مقابل اوپر کا تالو۔ کیونکہ صرف زبان سے کوئی حرف ادا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تالو کے کسی حصہ سے یا کسی دانت سے متصل نہ ہو۔ اور مؤلف رحمہ اللہ کا تالو کو ذکر نہ کرنا یا تو واضح ہونے کی بناء پر ہے اور یا اس خیال سے ہے کہ مخرج نمبر ۴ کے ضمن میں تالو کا جو ذکر فرما چکے ہیں اسی کو کافی سمجھ لیا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۵] چونکہ فراء نے جوف کو علیحدہ مخرج نہیں کہا اسلئے یاء کیساتھ غیر مدّہ کی قید نہیں لگائی۔ پس اس مذہب کی رو سے "یاء" خواہ مدّہ ہو خواہ غیر مدّہ، دونوں کا مخرج محقق ہی ہے۔ اور یہی توجیہ آگے مخرج نمبر ۱۳ کے ضمن میں واؤ کے بارے میں بھی سمجھی جائے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۶] یعنی اوپر کی ڈاڑھوں کی۔ کیونکہ نیچے کی ڈاڑھوں سے کوئی حرف ادا نہیں ہوتا۔ اور گو جزریہ وغیرہ میں مخرج ضاد کے سلسلہ میں ڈاڑھوں کیساتھ جڑ کی قید مذکور نہیں لیکن حضرت مولانا قاری محمد حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کے موافق مؤلف رحمہ اللہ فوائد مکیہ نے یہ قید اسلئے بڑھائی ہے کہ اکثر لوگ بوجہ ناواقفیت ضاد کے ادا کرتے وقت حافہ لسان کو ڈاڑھوں کے اندرونی حصہ کیساتھ

آٹھواں مخرج	طرفِ لسان اور دانتوں کی جڑ	اس سے	ل ن ر	نکلتے ہیں
نواں مخرج	نوکِ زبان اور ثنایا علیا کی جڑ	اس سے	ط د ت	نکلتے ہیں
دسواں مخرج	نوکِ زبان اور ثنایا علیا کا کنارہ	اس سے	ظ ذ ث	نکلتے ہیں
گیارھواں مخرج	نوکِ زبان اور ثنایا سفلیٰ کا کنارہ مع اتصالِ ثنایا علیا کے ۸	اس سے	ص ز س	نکلتے ہیں

لگانے کے بجائے نیچے کے حصہ میں جہاں سے غذا چبائی جاتی ہے لگا دیا کرتے تھے، کیونکہ معتبر کتابوں میں صرف اوپر کی ڈاڑھوں ہی کا ذکر تھا ان کے کسی حصہ کا ذکر نہیں تھا، پس جب حضرت نے لوگوں کی اس غلطی کا احساس کیا تو جڑ کی قید لگا دی تاکہ وہ اس غلطی میں مبتلا نہ ہوں۔۱۲

۷ مؤلف رحمہ اللہ نے حروفِ طرفیہ کے مخرج کے سلسلہ میں دانتوں کی تعیین نہیں فرمائی کہ کون سے دانت ان کا مخرج ہیں، اس تعیین کیلئے یا تو یہ کہا جائے کہ فن کی دوسری کتابوں سے سمجھی جائے اور یا یہ توجیہ کی جائے کہ اوپر ضاد کا مخرج چونکہ ڈاڑھیں بیان کر چکے ہیں اسلئے اب یہاں دانتوں سے وہی دانت مراد ہو سکتے ہیں جن پر ڈاڑھوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور وہ ثنایا، رباعی اور انیاب ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ لام کے مخرج میں تو ضواحک بھی داخل ہیں تو حل اس کا یہ ہے کہ لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ اور یا یہ کہا جائے کہ چونکہ فراء نے تینوں حرفوں کا مخرج ایک ہی کہا ہے لہٰذا اسکا بھی احتمال ہے کہ نون کی طرح لام میں بھی ضواحک کا دخل ہی نہ ہو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

۸ حروفِ اَسَلِيَّه کے مخرج کے سلسلہ میں ثنایا سفلیٰ کیساتھ اتصالِ ثنایا علیا کی قید اگرچہ دیگر کتبِ معتبرہ جزریہ وغیرہ میں مذکور نہیں، لیکن حق یہ ہے کہ اس قید کے بڑھانے کی ضرورت تھی، کیونکہ اگر حروفِ صفیر کے ادا کرتے وقت اوپر نیچے کے دانت ملے نہ ہوں تو صفتِ صفیر ناقص ادا ہوگی۔ اس ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے ابتداءً یہ قید مؤلف فوائد مکیہ نے بڑھائی۔ (تسہیل الفرقان لمولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب)۔ سبحان اللہ! کیا بلند مقام ہے مؤلف علّام کا کہ ایسی اہم اور نفیس اصلاحات درج فرمائی ہیں، حق یہ ہے کہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

بارھواں مخرج	نیچے کا لب اور ثنایا علیا کا کنارہ	اس سے	ف	نکلتا ہے
تیرھواں مخرج	دونوں لب	اس سے	ب م و[9]	نکلتے ہیں
چودھواں مخرج	خیشوم	اس سے	غنہ[10]	نکلتا ہے
مراد اس سے نون مخفیٰ[11] و مدغم بادغام ناقص ہے				

[9] اگرچہ فراءؒ اور سیبویہؒ کے نزدیک تو واوٗ مدّہ اور غیر مدّہ دونوں کا مخرج محقق ہی ہے، لیکن خلیلؒ کے نزدیک چونکہ یہ فرق ہے کہ واوٗ غیر مدّہ کا مخرج تو شفتین ہیں اور مدّہ کا جوف۔ اسلئے واوٗ غیر مدّہ تو سب کے نزدیک ہر لحاظ سے شفوی ہی ہے، مخرجاً بھی اور اداءً بھی۔ مگر واوٗ مدّہ خلیل رحمہ اللہ کے نزدیک مخرجاً شفوی نہیں بلکہ جوفی اور ہوائی ہے، البتہ اداءً یہ بھی شفوی ہے، کیونکہ اسکے ماقبل کو ضمہ لازم ہے اور ضمہ انضمامِ شفتین سے ہی ادا ہوتا ہے۔ اسلئے واوٗ مدّہ کی ادائیگی میں بھی ہونٹ گول ہی رہیں گے۔ البتہ واوٗ غیر مدّہ میں تو ہونٹوں کو اسکے مخرج کے اعتبار سے گول کرنا ہوتا ہے اور مدّہ میں عند الخلیل ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے فَافْہَم۔ ۱۲

[10] پس جب غنہ سے مراد نونِ مخفاۃ اور نونِ مدغمہ بادغام ناقص ہی ہیں، تو اب یہ اشکال رفع ہو گیا کہ غنہ جب صفت ہے تو پھر اسکا مخرج کیوں بیان کیا ہے، کیونکہ یہ دونوں حرف ہیں صفتیں نہیں لہٰذا مخرج بھی حرف ہی کا بیان ہوا ہے نہ کہ صفت کا۔ رہا یہ سوال کہ ان دونوں نونوں کو غنہ کا مصداق کیوں قرار دیا ہے جب کہ غنہ صفت ہے اور یہ دونوں حرف، نیز یہ کہ جب غنہ ان کے علاوہ نون مقلوبہ، میم مخفاۃ اور نون و میم مشدّدتین میں بھی ہوتا ہے بلکہ تھوڑا سا غنہ تو نونِ مظہرہ و نونِ متحرک میں بھی ہوتا ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ غنہ کے مصداق صرف انہیں دو کو قرار دیا ہے؟

تو جواب اسکا یہ ہے کہ نونِ متحرک و نونِ مظہرہ میں جو غنہ ہوتا ہے وہ "آنی" ہے جو محض ایک صفت ہے اور دوسری صفات کی طرح حرف کی ذات کے ساتھ ہی ادا ہو جاتا ہے اور اِنَّ، لَمَّا اور ایسے ہی اَمْ بِہٖ اور مِنْ، بَعْدِ وغیرہ کا غنہ اگرچہ ہے تو زمانی لیکن اسکے ادا ہوتے وقت بھی چونکہ آواز کا اعتماد زیادہ تر ذات کے مخرج پر ہی ہوتا ہے، اسلئے اس پر بھی حرف کا اطلاق نہیں کیا

۴ **فائدہ:** یہ مذہب فراء[12] وغیرہ[13] رحمہم اللہ کا ہے اور سیبویہ رحمہ اللہ کے نزدیک سولہ[16] مخارج ہیں۔ انہوں نے لام کا مخرج حافہ لسان، اسکے بعد نون کا مخرج کہا ہے، اسکے بعد راء[14] کا مخرج ہے۔ اور خلیل رحمہ اللہ کے نزدیک سترہ ہیں، انہوں نے لام، نون، راء کا مخرج جدا[15] جدا

گیا، البتہ مِنْکُمْ وغیرہ میں تقریبًا بلکہ بعض کے نزدیک تو حرف کی ذات بالکل ہی غائب ہو جاتی ہے اور صرف غنہ ہی باقی رہ جاتا ہے اور اس حالت میں خود یہ غنہ ہی بمنزلہ ذات کے ہوتا ہے، اسلئے اس حالت میں اہلِ فن ذات یعنی نون مخفاۃ پر صفت یعنی غنہ ہی کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ اور گو مَنْ یَّشَآءُ اور مِنْ وَّلِیٍّ وغیرہ میں بھی ذات کے مخرج پر اعتماد ہوتا ہے لیکن چونکہ بہ نسبت اَمْ بِهٖ اور مِنْۢ بَعْدِ وغیرہ کے اس میں بھی خیشوم کا دخل زیادہ ہوتا ہے کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ تَاَمَّلَ اسلئے نونِ مدغمہ بالغنّہ کو بھی نون مخفاۃ کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔۱۲

۱۱ بضم المیم وفتح الفاء (مُخْفٰی)۔ کیونکہ یہ بھی مدغم کی طرح افعال ہی سے اسم مفعول ہے۔۱۲

۱۲ یعنی جس کے موافق کتاب میں حرفوں کے مخارج چودہ بیان کیے گئے ہیں۔۱۲

۱۳ فراء، سیبویہ اور خلیل رحمہم اللہ یہ تینوں ائمہ تجوید ہیں جنہوں نے قرآنی حروف کی صحیح ادا کی حفاظت کی خاطر نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور اس بارہ میں انتہائی جدوجہد اور سعی بلیغ کو صرف فرمایا۔ اور آج ہمارے پاس یہ مقدس علم یعنی علم تجوید اور اس کی وجہ سے حروفِ قرآنیہ کی صحیح ادا اور ان کا صحیح تلفظ جو محفوظ ہے تو اس کی ظاہری وجہ انہی حضرات کی محنت اور کوشش ہے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ عَنَّا وَعَنْ کَافَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ۔۱۲

۱۴ یعنی جس ترتیب کے موافق جمال القرآن اور معلم التجوید وغیرہ میں ان تینوں حرفوں کا مخرج الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔۱۲

۱۵ یعنی سیبویہ رحمہ اللہ کی طرح۔ پس سیبویہ حروفِ طرفیہ کا مخرج الگ الگ بتانے میں تو خلیل رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور جوف کو الگ مخرج نہ کہنے میں فراء رحمہ اللہ کے ساتھ۔۱۲

رکھا ہے اور حروف علت[16] جب مدہ ہوں ان کا مخرج جوف کہا ہے۔

⑤ **فائدہ**[17]: یہ اختلاف چودہ، سولہ اور سترہ کا حقیقی اختلاف نہیں[18] ہے۔ فراء نے لام، نون، راء میں قرب کا لحاظ کرکے ایک کہہ دیا، سیبویہ اور خلیل نے قرب کا لحاظ نہ کر کے الگ مخرج ہر ایک کا بیان کیا ہے جیسا کہ محققین[19] کا قول ہے کہ ہر حرف کا مخرج علیحدہ ہے مگر نہایت قرب کی وجہ سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حروف مدہ کا مخرج خلیلؒ نے جوف

[١٦] یعنی واؤ اور یاء۔ کیونکہ مدہ اور غیر مدہ کی طرف یہی منقسم ہوتے ہیں بخلاف الف کے کہ وہ ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے اسلئے وہ ادا بھی ہمیشہ جوف ہی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ خود مصنف رحمہ اللہ نے بھی ایک مستقل فائدہ میں جو آگے آرہا ہے، اس کی تصریح فرمائی ہے کہ الف بالکل ہوائی حرف ہے، اس میں آواز کا اعتماد کسی جزو معین پر بالکل نہیں ہوتا، پس اگرچہ صرف کی رو سے تو حروفِ علت کا اطلاق واؤ، الف اور یاء کے تینوں حرفوں پر ہوتا ہے مگر یہاں ان سے مراد صرف واؤ اور یاء ہی ہیں۔

[١٧] تعدادِ مخارج کا اختلاف بیان کرنے کے بعد اب اس فائدہ کے ضمن میں مصنف رحمہ اللہ نے اس اختلاف کی نوعیت اور یہ کہ اس بارہ میں تحقیق کیا ہے، یہ دو چیزیں بیان فرمائی ہیں، اس لیے یہ مضمون بہت ہی اہم اور قابل توجہ ہے۔ ١٢

[١٨] بلکہ اعتباری ہے، کیونکہ اگر حقیقی ہوتا تو ممکن تھا کہ حرف کی ادا پر اثر انداز ہوتا۔ حالانکہ اس اختلاف کے باوجود حرفوں کی ادا پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم۔ ١٢

[١٩] محققین کا یہ قول کہ ہر حرف کا مخرج الگ الگ ہے، اس بناء پر ہے کہ ہر حرف کی آواز دوسرے حرف کی آواز سے جدا اور اس سے مختلف ہے اور ایسے کوئی بھی دو حرف نہیں جن کی آواز بالکل ایک ہو تو جب ہر حرف کی آواز دوسرے حرف سے مختلف ہے تو لازماً ہر حرف کا مخرج بھی دوسرے حرف سے جدا ہی ہونا چاہیے، لیکن بعض حرفوں کے مخارج میں اس درجہ کا قرب ہے کہ ان کو لفظوں میں الگ الگ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس عذر کی بناء پر ان کا مخرج ایک ہی شمار کر لیا گیا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَم۔ اور اس سے خلیل، سیبویہ اور فراء رحمہم اللہ کے اس اختلاف کی حقیقت

کہا ہے، فراءؒ اور سیبویہؒ نے مدّہ و غیر مدّہ کا ایک ہی مخرج کہا ہے، مخرج جوف زائد نہیں کیا۔ اس میں تحقیق یہ ہے کہ الف بالکل ہوائی حرف ہے، اس میں اعتمادِ صوت کا کسی جزو معین[۲۰] پر نہیں ہوتا، اس واسطے فراء اور سیبویہ نے مبدا مخارج[۲۱] یعنی اقصیٰ حلق اسکا مخرج کہا ہے اور حرفِ واؤ و یاء جب مدّہ ہوں تو اس وقت اعتماد صوت کا لسان و شفتین پر نہایت ضعیف

بھی معلوم ہوگئی کہ خلیل رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ حروفِ طرفیہ میں سے ہر ایک کا مخرج الگ الگ بیان کرنا آسان تھا اور ایسے ہی حروف وای کے مدّہ ہونے کی حالت میں ان کا مخرج الگ بیان کرنا ممکن تھا، اس لیے انہوں نے سترہ مخارج بیان کر دیئے اور فراء کے نزدیک یہ دونوں باتیں دشوار تھیں، اس لیے انہوں نے چودہ بتائے اور سیبویہ کے نزدیک مدّہ اور غیر مدّہ کے مخرج میں تمیز کرنا تو مشکل تھا لیکن حروفِ طرفیہ کا مخرج الگ الگ بیان کرنا آسان تھا، اس لیے انہوں نے سولہ مخرج بیان کیے۔۱۲

[۲۰] الف کی ادائیگی میں آواز کا کسی جزو معین پر معتمد نہ ہونا اس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مِنَ السَّمَآءِ اور مِنْ مَّآءٍ جیسے کلمات کے ادا کرتے وقت اپنے کانوں کو الف کی آواز کی طرف پوری طرح متوجہ کیا جائے اور پھر غور کیا جائے کہ آیا اس کی آواز کسی مقطع محقق پر ٹکتی ہے یا نہیں، اگر اس تدبیر کو عمل میں لایا جائے گا تو انشاء اللہ العزیز مؤلف رحمہ اللہ کی اس تحقیق کا خود اپنے ہی کانوں سے تجربہ ہو جائیگا اور یہ واضح ہو جائے گا کہ الف واقعی جوفی اور ہوائی ہے، اس میں صوت کا اعتماد کسی جزو معین پر مطلقاً نہیں ہوتا۔۱۲

[۲۱] سیبویہ اور فراء کا مبدا مخارج یعنی "اقصیٰ حلق" کو الف کا مخرج قرار دینا اس بناء پر ہے کہ یہ حضرات جوف کو کسی حرف کا مخرج قرار نہیں دیتے، لہٰذا انہوں نے اسکا مخرج اسی جگہ کو قرار دے دیا جس جگہ کا جوف خلیل رحمہ اللہ کے نزدیک اسکا مخرج ہے۔ اور خلیل کے نزدیک اسکے مخرج کی ابتداء اقصیٰ حلق کے جوف سے ہی ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی مخرج ہے ہی نہیں۔ پس جس طرح محقق مخرجوں کی ابتداء اقصیٰ حلق سے ہوتی ہے، اسی طرح جوف کی بھی ابتداء اقصیٰ حلق کے جوف سے ہی ہوتی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

[illegible] معروف ہے تو فراءؔ اور سیبویہؔ نے اس اعتماد ضعیف کی وجہ سے مدّہ وغیر مدّہ [illegible] فرق نہیں کیا۔ خلیلؔ نے ضعف وقوت کا لحاظ کرکے ایک مخرج جوف زائد کیا

۲۲ چنانچہ قُوْلُوْا اور فِیْہِ جیسے کلمات کے ادا کرتے وقت اگر غور کیا جائے تو اس اعتمادِ ضعیف کا احساس ہوسکتا ہے اور واوٗ مدّہ میں یہ احساس بہ نسبت یائے مدّہ کے آسان ہے۔۱۲

۲۳ یعنی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اس کی وجہ سے مدّہ اور غیر مدّہ کا مخرج الگ الگ بیان نہیں کیا۔۱۲

۲۴ خلیلؒ کا واوٗ و یاء مدّہ اور غیر مدّہ کا مخرج الگ الگ قرار دینا اعتمادِ صوت کی قوت اور ضعف کے جس فرق کی بناء پر ہے اسکا احساس اور تجربہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ قَوْلٌ اور قُوْلُوْا اور ایسے ہی بَیْعٌ اور فِیْہِ جیسے کلمات کو یکے بعد دیگرے ادا کرکے ان کے واوٗ اور یاء کی آوازوں میں غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ مدّہ کے ادا کرتے وقت تو مخرج محقق پر اعتماد بہت ہی خفیف سا ہورہا ہے جو تقریبًا کالعدم اور نہ ہونے کے درجہ میں ہے، لیکن لین کے ادا کرتے وقت بہ نسبت مدّہ کے اعتماد قوی ہوگا۔ اور قوت وضعف کے اس فرق کا احساس بہ نسبت یاء کے واوٗ میں آسان ہے۔ چنانچہ قُوْلُوْا میں تو ہونٹوں پر آواز کا اعتماد بہت ہی خفیف سا محسوس ہوگا اور قَوْلٌ میں بہ نسبت قُوْلُوْا کے ہونٹوں کا اندر کی طرف کھچاؤ زیادہ محسوس ہوگا اور یہ کھچاؤ اسی اعتماد ہی کا نتیجہ ہے وَاللّٰہُ اَعْلَم۔ البتہ اس فرق کا احساس کہ الف کی ادا میں تو آواز کا اعتماد جزو معین پر مطلقًا نہیں ہوتا اور واوٗ و یاء مدّہ میں خفیف سا اعتماد ہوتا ہے، بہ نسبت واوٗ و یا مدّہ اور غیر مدّہ کے فرق کے دشوار ہے، خصوصًا الف اور یاء میں فرق کا احساس تو اور بھی مشکل ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو تمام ہی حقائق کا ادراک ہوجائے۔۱۲

تیسری فصل: صفات کے بیان میں

حواشی فصل سوم

[۱] صفات کے بیان میں مؤلف رحمہ اللہ نے نہایت ہی اختصار سے کام لیا ہے، جسکا تقاضا یہ تھا کہ اس موقع پر مفصل حواشی تحریر کیے جاتے، مگر چونکہ اس سلسلہ میں صفت کی تعریف، اسکی اقسام، صفات کتنی ہیں، ہر حرف میں کم سے کم کتنی اور زیادہ سے زیادہ کتنی صفات پائی جاتی ہیں، حرفوں میں صفات معلوم کرنے کا طریقہ، ہر صفت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور یہ کہ حرف کی ادا پر اسکا کیا اثر پڑتا ہے، یہ سب چیزیں ضروری تفصیل کے ساتھ معلم التجوید میں بیان ہو چکی ہیں اسلئے اب ان حواشی میں ان کا اعادہ تحصیلِ حاصل ہے۔ ہاں اتنی بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ فوائدِ مکیہ میں بعض اُن صفات کا ذکر نہیں ہے جو جمال القرآن اور معلم التجوید وغیرہ میں بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ دو صفتیں متضادہ میں سے یعنی اذلاق اور اصمات اور دو غیر متضادہ میں سے یعنی انحراف اور لین، یہ چار صفتیں یہاں بیان نہیں کی گئیں۔ پس اس میں بجائے اٹھارہ صفتوں کے صرف چودہ ہی صفتیں مذکور ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ مؤلف رحمہ اللہ فوائدِ مکیہ نے اپنے رسالہ میں ان صفات کو کیوں نہیں بیان فرمایا؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ صفات دو طرح کی ہیں:۔

* ایک تو وہ ہیں جن کا احساس آسانی سے ہو جاتا ہے اور جو معنیٰ اہلِ فن کے نزدیک اس صفت سے مراد ہیں، ذوق ان کا ادراک آسانی سے کر لیتا ہے۔

* دوسری قسم کی صفات وہ ہیں جو واضح الاحساس نہیں اور مہارتِ تامہ کے بغیر ذوق میں ان کے معنیٰ نہیں آتے۔

یہ چودہ صفات جو فوائدِ مکیہ میں بیان کی گئی ہیں، پہلی قسم میں سے ہیں۔ اور اذلاق و اصمات اور ایسے ہی لین و انحراف دوسری قسم میں سے ہیں۔ اور فوائدِ مکیہ چونکہ ایک مختصر رسالہ ہے، اسلئے مؤلف علّام رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں صرف انہی صفات کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے جو بہت ہی مشہور اور واضح الاحساس ہیں۔ اذلاق و اصمات اور لین و انحراف کے معانی کا احساس چونکہ نسبتاً

جہر کے معنیٰ شدت [۲] اور زور سے پڑھنے کے ہیں۔ اسکی ضد ہمس ہے یعنی نرمی [۳] کیساتھ پڑھنا اور اسکے دس حرف ہیں جن کا مجموعہ فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ ہے، ان حروف کے ماسواسب مجہورہ ہیں۔ شدیدہ کے آٹھ حروف ہیں جن کا مجموعہ اَجِدُ قَطٍّ بَكَتَ ہے، ان کے سکون [۴] کے وقت آواز رُک جاتی ہے۔ پانچ حروف متوسطہ ہیں، جن کا مجموعہ

مشکل ہے اور ادا میں مہارتِ تامہ کے بغیر ذوق ان کا ادراک نہیں کرسکتا، اسلئے مؤلف فوائد مکیہ نے ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ چنانچہ یہ وجہ انہی چار کیساتھ خاص نہیں بلکہ کچھ صفتیں اور بھی ایسی ہیں جن کا جزریہ وغیرہ میں تو ذکر نہیں اور بعض دوسرے مصنفین نے ان کو بیان کیا ہے۔ پس ان کے بارے میں بھی یہی توجیہ کی جائے گی اور چودہ صفتیں بیان کرنے میں صرف صاحبِ فوائد مکیہ ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ بعض دوسرے حضرات نے بھی اسی تعداد پر اکتفا کیا ہے۔ چنانچہ البرکوی رحمہ اللہ نے بھی اپنے رسالہ "الدر الیتیم" میں چودہ ہی صفتیں بیان کی ہیں اور بیان بھی یہی چودہ کی ہیں جو فوائد مکیہ میں ہیں۔ (دیکھو نہایت القول المفید، ص:۴۶) وَاللّٰہُ اَعْلَم۔ ۱۲

[۲] یہاں شدت سے اصطلاحی شدت مراد نہیں جس کے معنیٰ سختی کے ہیں، ورنہ لازم آئے گا جہر وشدت کا شے واحد ہونا اور ہر حرفِ مجہورہ کا شدیدہ ہونا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ بعض حروف مجہورہ تو ہیں مگر شدیدہ نہیں ہیں جیسے ذال اور زاء وغیرہ۔ (دیکھو نقشہ اقسامِ حروف: کتاب معلم التجوید بحث صفاتِ لازمہ) بلکہ یہاں شدت سے مراد قوت ہے جسکا مطلب خود متن میں بیان کردیا گیا ہے یعنی زور سے پڑھنا۔ ۱۲

[۳] یہاں نرمی بمعنیٰ ضعف ہے جو مقابل ہے قوت کا، وہ نرمی مراد نہیں جو صفتِ رخاوت کی وجہ سے حرف میں ظاہر ہوتی ہے۔ ورنہ لازم آئے گا ہر حرفِ مہموسہ کا رخوہ ہونا، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ بعض حروفِ مہموسہ "شدیدہ" بھی ہیں جیسا کہ کاف اور تاء۔

[۴] سکون کی قید اسلئے لگائی گئی ہے کہ اس حالت میں آواز کے احتباس وجریان کا احساس زیادہ واضح ہوتا ہے جیسا کہ صفتِ غنہ کا احساس سکون کی حالت میں زیادہ صاف ہوتا ہے، یہ مطلب

لِنْ عُمَرْ ہے ان میں بالکل[5] آواز بند نہیں ہوتی۔ باقی حروف ماسوا شدیدہ اور متوسطہ کے سب رخوہ ہیں یعنی ان کی آواز جاری ہوسکتی ہے[6]۔ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ یہ حروف مستعلیہ ہیں ساتھ استعلاء کے یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ[7] زبان کا تالو کی طرف بلند ہوجاتا ہے۔ ان کے ماسوا سب حروف استفال کیساتھ متصف ہیں، ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا بلند نہ ہوگا۔ صَطْ ضَظْ: یہ حروف متصف ہیں ساتھ اطباق کے

نہیں کہ متحرک ہونے کی حالت میں یہ صفت نہیں پائی جاتی، ورنہ لازم آئے گا صفتِ شدت کا عارض ہونا، حالانکہ ہے یہ صفاتِ لازمہ میں سے۔ اور حرکت کی حالت میں ان حرفوں میں جس قدر آواز جاری ہوتی ہے وہ حرکت کی ہوتی ہے حرف کی نہیں، خوب سمجھ لو! ۱۲

[۵] یہاں "بالکل" قطعاً کے معنیٰ میں نہیں جیساکہ عام طور پر یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے ورنہ مطلب یہ نکلے گا کہ ان حرفوں میں آواز قطعاً بند نہیں ہوتی بلکہ پوری طرح جاری رہتی ہے اور یہ خاصہ حروفِ رخوہ کا ہے اور یہاں گفتگو ہورہی ہے حروفِ متوسطہ کے بارے میں، بلکہ یہاں "بالکل" سے مراد بالکلیہ ہے یعنی پوری طرح۔ پس اب مطلب یہ ہوگا کہ ان حرفوں میں آواز پوری طرح بند نہیں ہوتی بلکہ کچھ جاری بھی رہتی ہے اور یہی حقیقت ہے حروفِ لِنْ عُمَرْ کی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[٦] مطلب یہ ہے کہ اس صفت کی وجہ سے آواز کا جس قدر جاری رہنا ضروری ہے اتنی تو جاری رہتی ہی ہے، لیکن آواز کے جاری رہنے کو آزمانے اور اسکا تجربہ کرنے کیلئے اس سے بھی زیادہ جاری رکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ مَنْفُوْشْ کی شین اور یَلْهَثْ کی ثاء وغیرہ میں آواز کو ضرورت سے زیادہ بھی جاری رکھا جاسکتا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۷] یہاں اکثر حصہ سے مراد زبان کی جڑ ہے۔ کیونکہ استعلاء کی وجہ سے اوپر کے تالو کی طرف یہی بلند ہوتی ہے۔ البتہ حروف صَطْ ضَظْ میں چونکہ استعلاء اور اطباق دونوں ہی پائی جاتی ہیں اسلئے ان میں استعلاء کی وجہ سے تو زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف بلند ہوگی اور اطباق کی وجہ سے زبان کا بیچ اوپر کے تالو کو ڈھانپ لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہ نسبت غین، خاء اور قاف کے صاد،

یعنی انکے ادا کرتے وقت اکثر حصہ[۸] زبان کا تالو سے مل جاتا ہے۔ ان چار حرفوں کے سوا باقی حروف انفتاح سے متصف ہیں یعنی انکے ادا کرتے وقت اکثر زبان تالو[۹] سے ملتی نہیں۔

ضاد، طاء، اور ظاء کی تفخیم زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ پہلے تین میں صرف زبان کی جڑ ہی بلند ہوتی ہے اور بعد والے چار میں جڑ بھی بلند ہوتی ہے اور بیچ زبان بھی تالو کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ۱۲

[۸] یہاں اکثر سے مراد بیچ زبان ہے کیونکہ اطباق و انفتاح کا تعلق بیچ زبان ہی سے ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ حروفِ مطبقہ چونکہ سب کے سب مستعلیہ بھی ہیں اس لیے ان کی ادائیگی میں استعلاء کی وجہ سے زبان کی جڑ بھی اوپر کی طرف بلند ہوگی لیکن نفسِ اطباق کی وجہ سے بیچ زبان ہی اوپر کے تالو سے منطبق ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ استعلاء و استفال کے بیان میں تو اکثر حصہ سے مراد زبان کی جڑ ہے اور اطباق و انفتاح کے بیان میں اس سے مراد زبان کا بیچ ہے، خوب سمجھ لو! ۱۲

[۹] البتہ ان میں جو حروف مستعلیہ ہیں یعنی غین، خاء اور قاف، ان میں بوجہ استعلاء کے زبان کی جڑ اوپر کو اٹھے گی، پس جن حرفوں کی ادائیگی میں زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے منطبق ہوگا ان میں زبان کی جڑ بھی لازماً بلند ہوگی، اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ اطباق کو استعلاء لازم ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جن حرفوں میں جڑ زبان بلند ہو ان میں بیچ زبان بھی منطبق ہو، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ استعلاء کو اطباق لازم نہیں بلکہ بعض مستعلیہ "منفتحہ" بھی ہیں۔ ہاں جن حرفوں میں جڑ زبان بلند نہیں ہوتی تو ان میں بیچ زبان بھی منطبق نہیں ہوتا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ استفال کو انفتاح لازم ہے لیکن جن حرفوں میں زبان کا بیچ تالو سے جدا رہتا ہے یعنی منطبق نہیں ہوتا تو ان میں یہ ضروری نہیں کہ زبان کی جڑ بھی بلند نہ ہو، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انفتاح کو استفال لازم نہیں۔

خلاصہ یہ کہ استعلاء کے ساتھ تو اطباق و انفتاح دونوں جمع ہوسکتی ہیں لیکن استفال کے ساتھ اطباق جمع نہیں ہوسکتی، یا یوں کہو کہ انفتاح کیساتھ تو استعلاء و استفال دونوں ہی جمع ہوسکتی ہیں لیکن اطباق کے ساتھ استفال جمع نہیں ہوسکتی۔ پس زبان کی جڑ اور اس کے بیچ کے اوپر کی طرف اٹھنے اور نہ اٹھنے کے اعتبار سے حروف کی کل تین ہی قسمیں ہیں:-

یہ صفات[10] جو ذکر کی گئی ہیں متضادّہ ہیں:۔ جہر کی ضد ہمس ہے اور رخوہ کی ضد شدت ہے اور استعلاء کی ضد استفال ہے اور اطباق کی ضد انفتاح ہے۔ تو ہر حرف چار[11] صفتوں کیساتھ ضرور متصف ہوگا۔ باقی صفات کی ضد نہیں ہے۔

قلقلہ کے پانچ حروف ہیں جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ ہے مگر قاف میں قلقلہ واجب باقی چار حروف میں جائز[12] ہے۔

---

① مستعلیہ مطبقہ

② مستعلیہ منفتحہ

③ مستفلہ منفتحہ

اور چوتھی قسم یعنی مستفلہ مطبقہ گو عقلاً تو ممکن ہے لیکن خارج میں نہیں پائی گئی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[10] یعنی جہر سے انفتاح تک کی آٹھ صفات۔۱۲

[11] جیسا کہ فصل ہذا کے حاشیہ نمبر ایک کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کتاب میں صفاتِ متضادّہ صرف آٹھ ہی بیان کی گئی ہیں کیونکہ اذلاق اور اصمات کا اس میں ذکر نہیں، اسلئے صفاتِ متضادّہ کے جوڑے بھی بجائے پانچ کے صرف چار ہی رہ جاتے ہیں۔ اور یہ معلوم ہی ہے کہ ہر جوڑے کی دو صفتوں میں سے ہر حرف میں ایک ہی صفت پائی جاتی ہے، اسلئے ہر حرف میں چار ہی صفتیں ہوں گی۔ رہا یہ سوال کہ مؤلفِ رسالہ ہذا نے اذلاق اور اصمات کو بیان کیوں نہیں فرمایا؟ سو اس کا جواب بھی حاشیہ نمبر ایک کے ذیل میں دیا جا چکا ہے۔۱۲

[12] لفظ "جائز" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاف کے علاوہ بقیہ چار حرفوں میں قلقلہ کرنا اور نہ کرنا دونوں باتوں کا اختیار ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ قاف کی طرح باقی چار حرفوں میں بھی قلقلہ تمام قراء کے نزدیک عملاً اور اداءً ضروری ہے، اسلئے یہاں جائز بمعنیٰ کامل اور واجب بمعنیٰ اکمل سمجھنا چاہیے چنانچہ ہماری اس توجیہ کی تائید صاحبِ رعایہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

قَلْقَلَةُ الْقَافِ اَكْمَلُ مِنْ قَلْقَلَةِ غَيْرِهٖ لِشِدَّةِ ضَغْطِهٖ (حواشی مرضیہ) یعنی قاف

قلقلہ کے معنیٰ ہیں: مخرج میں جنبش [۱۳] دینا سختی [۱۴] کے ساتھ۔

کی ادائیگی میں چونکہ بہ نسبت باقی چار حرفوں کے زبان کا اعتماد تالو پر زیادہ قوت کیساتھ ہوتا ہے اسلئے اس میں قلقلہ بھی باقی حرفوں کی نسبت اکمل ہوتا ہے۔ ہاں بعض حضرات نے حروفِ طَبَ جَدٍ میں اختلاف کی تصریح بھی کی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی رحمہ اللہ "تحفہ نذریہ" میں فرماتے ہیں: "حروفِ قلقلہ پنج است: "ق ط ب ج د" متفق علیہ جمیع قراء۔ ومشہورترین این ھا قاف است ودر باقی حروف اختلاف است"۔ لیکن زیادہ مشہور، راجح اور قراء کا معمول بہا قلقلہ ہی ہے اور فن کی معتبر کتابوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔۱۲

[۱۳] یعنی حرکت۔ اس حرکت سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت تو معلم التجوید میں کی جا چکی ہے کہ حروفِ قلقلہ کے ادا ہوتے وقت جب ایک عضو دوسرے عضو سے ملتا ہے تو عام ساکن حرفوں کی طرح اس کو وہیں قرار نہیں ہو جاتا بلکہ ملنے کے بعد پھر واپس پلٹ جاتا ہے، بس اس پلٹ جانے ہی کو علمائے فن حرکت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی حرکت کو جو اتصال کے بعد انفکاکِ عضوین سے پیدا ہوتی ہے قلقلہ کہتے ہیں لیکن یہاں کچھ اور وضاحت کی جاتی ہے:۔

عام ساکن حرفوں میں تو یہ قاعدہ ہے کہ وہ الصاقِ عضوین یعنی مخرج کے دو حصوں کے آپس میں ملنے سے ادا ہوتے ہیں۔ چنانچہ تم فَاغۡسِلُوۡا، اَشۡهُرٍ، اَضۡلَلۡنَ اور اَنۡعَمۡتَ وغیرہ کہتے ہو تو غین، شین، ضاد، لام اور نون و میم کے ادا ہوتے وقت الصاقِ عضوین ہو جاتا ہے اور پھر عضو متحرک کو وہیں قرار ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کچھ جنبش ہو جائے تو غلط سمجھا جاتا ہے، لیکن حروفِ قلقلہ میں اس عام قاعدہ کے خلاف ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ان کی ادائیگی میں جب الصاقِ عضوین ہوتا ہے تو اس الصاق کے بعد عضو متحرک کو قرار نہیں ہو جاتا بلکہ اس میں جنبش ہو جاتی ہے، بس اس جنبش میں جو آواز پیدا ہوتی ہے اسی کو قلقلہ کہتے ہیں۔۱۲

[۱۴] چونکہ حروفِ قلقلہ سب کے سب مجہورہ شدیدہ ہیں، اس لیے ان کی ادائیگی میں ایک عضو کا دوسرے عضو کے ساتھ الصاق سختی اور قوت کے ساتھ ہونا ظاہر ہے اور پھر جب الصاق قوت کے

راء میں صفتِ تکرار[15] ہے مگر اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز کرنا چاہیے۔ شین میں صفتِ تفشی ہے یعنی منہ میں صوت پھیلتی ہے اور ضاد میں صفتِ استطالہ[16] ہے اور صاد، زاء، سین حروفِ صفیرہ کہلاتے ہیں۔ ن م میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ ناک[17] میں آواز آجاتی ہے

ساتھ ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس الصاق کے بعد جو انفصال ہوگا اس میں بھی قوت اور سختی ہوگی اور آواز قلقلہ کی قوی اور بلند ہوگی۔ پس اگر آواز سخت یا بلند نہ ہوگی تو قلقلہ صحیح ادا نہ ہوگا۔ طلبہ اسکا بہت خیال رکھیں، یہ غلطی عام ہے۔۱۲

[15] تکرار کے بارے میں اس سے پہلے کی دونوں کتابوں یعنی ایضاح البیان اور معلم التجوید میں کافی لکھا جا چکا ہے اور اس شبہ کا جواب بھی دے دیا گیا ہے کہ ایک طرف تو تکرار کو صفاتِ لازمہ میں شمار کیا گیا ہے اور دوسری طرف اس سے احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہاں اس بحث کا اعادہ تحصیل حاصل ہوگا۔ ضرورت ہو تو انہیں کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے۔۱۲

[16] استطالت کے بارے میں بھی کتاب معلم التجوید میں کافی وضاحت آچکی ہے۔ ایسے ہی حرفِ ضاد کے بارے میں جس جس طرح کی غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے اور جس جس حرف کے ساتھ اس کی آواز کا تشابہ ثابت کیا جا سکتا ہے، وہ سب احتمالات ذکر کر کے اسکا صحیح تلفظ اور اسکے ادا کرنے کا طریقہ، یہ سب کچھ وہاں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ استطالت کے بارے میں اتنی بات اور ذہن میں رکھ لیں کہ اگر تو دال کی آواز معلوم ہو تو سمجھنا چاہیے کہ صفتِ استطالت ادا نہیں ہوئی، کیونکہ دال میں بوجہ شدت احتباسِ صوت ہوتا ہے جو مانع استطالت ہے۔ ہاں اگر ظاء کی طرح آواز معلوم ہو تو اس وقت اس صفت کا ادا ہونا ممکن ہے۔ بس یہی معیار ہے اس صفت کے ادا ہونے اور نہ ہونے کا (حواشی مرضیہ)۔ مگر نوکِ زبان ظاء کے مخرج سے بالکل جدا رہنی چاہیے ورنہ "ضاد" ظاء ہو جائیگا اور یہ لحنِ جلی ہے کیونکہ ان دونوں میں صفاتِ ذاتیہ میں اشتراک کی وجہ سے صرف صوتی تشابہ ہی ہے دونوں بالکل ایک نہیں ہیں، خوب سمجھ لو!۔۱۲

[17] اس صفت کو مجوّدین کی اصطلاح میں غنہ کہتے ہیں۔ غنہ کا مطلب، اسکی قسمیں اور اس کی بقدرِ

اور کسی حرف میں یہ صفت نہیں ہے اور ان صفاتِ متضادّہ سے چار صفتیں یعنی جہر، شدت، استعلاء، اطباق قویہ ہیں، باقی ضعیف ہیں۔ اور صفاتِ غیر متضادہ سب قویہ ہیں[۱۸] تو ہر حرف میں جتنی صفتیں[۱۹] قوت کی ہوں گی اتنا ہی حرف قوی ہوگا اور جتنی صفتیں ضعف کی ہوں گی اتنا ہی حرف ضعیف ہوگا۔ حروف کی باعتبارِ قوت اور ضعف پانچ قسمیں[۲۰] ہیں:۔

ضرورت وضاحت، یہ سب چیزیں معلم التجوید میں بیان ہو چکی ہیں، اور اسی صفت کی وجہ سے فوائد مکیہ میں صفاتِ لازمہ کی تعداد چودّہ[۱۴] تک پہنچتی ہے۔ ورنہ اذلاق واصمات اور لین وانحراف ان چار کے کم ہو جانے سے تو تیرہ[۱۳] ہی رہ جاتی ہیں اور چونکہ اس صفت کا ذکر جمال القرآن اور مقدمہ جزریہ میں نہیں ہے، اسلئے بعض لوگوں کو ان مصنفین پر اعتراض کرنے کا موقعہ مل گیا جنہوں نے اپنی تصنیفات میں غنہ کا ذکر کیا ہے، لیکن اگر وہ فوائدِ مکیہ میں صفات کی فہرست بغور پڑھ لیتے تو اعتراض کرنے کی ہمت نہ کرتے اور یوں بھی ذرا سا غور کرنے سے یہ بات بڑی آسانی کیساتھ سمجھ میں آسکتی ہے کہ نون ومیم واقعی صفتِ غنہ سے متصف ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص ان حرفوں میں اس صفت کو ملحوظ نہیں رکھتا تو ان کا تلفظ نہایت ناقص اور بھدّا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ لام ونون میں اگر کوئی صفت مُمیّز ہے تو وہ صفتِ غنہ ہی ہے، ورنہ انحراف تو بہت ہی غیر واضح سی صفت ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر جزریہ وغیرہ میں اس صفت کو کیوں بیان نہیں کیا گیا؟ سو اس سوال کا جواب انشاء اللہ العزیز جزریہ کی شرح میں ہی ہدیہ ناظرین کیا جائیگا۔ ۱۲

[۱۸] یہ فیصلہ صرف انہی صفات کے لحاظ سے ہے جو رسالہ ہذا میں بیان کی گئی ہیں۔ ورنہ صفاتِ غیر متضادّہ میں سے لین ضعیف ہے مگر چونکہ وہ یہاں مذکور نہیں اسلئے یہ استغراق صحیح ہے۔ ایسے ہی اذلاق اور اصمات میں سے اصمات قوی ہے اور اذلاق ضعیف۔ ۱۲

[۱۹] پس یہ حرفوں کی قوت اور ان کے ضعف کو معلوم کرنے کا ایک معیار اور اس بارے میں ایک ضابطہ اور اصول ہے جس کی رو سے حروف بلحاظِ قوت وضعف پانچ قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ ۱۲

[۲۰] قوت وضعف کے لحاظ سے حروف کی پانچ قسمیں اور بنائے تقسیم یہ دونوں چیزیں تو متن میں

مذکور ہی ہیں، البتہ ان قسموں کے ضمن میں درج کیے ہوئے حرفوں کی صفات کو سامنے رکھ کر حاشیہ میں ان کی قوت اور ضعف کو واضح کرنا ضروری ہے۔ مگر مقام کی توضیح سے پہلے بطورِ تمہید چند چیزوں کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی اشکال پیش نہ آئے:۔

① اگرچہ فوائدِ مکیہ میں صفاتِ لازمہ صرف چودہ ہی بیان کی گئی ہیں لیکن آپ حرفوں کی قوت وضعف کو دیکھتے وقت باقی صفات کو بھی سامنے رکھیں، کیونکہ اس سے مقصود تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

② صفاتِ قویہ میں بلحاظِ قوت مراتب ہیں یعنی بعض، بعض سے قوی تر ہیں۔ چنانچہ سب سے قوی قلقلہ ہے، پھر اسکے بعد شدت، پھر جہر، پھر اطباق اور پھر استعلاء کا درجہ ہے۔

③ توضیح کے ضمن میں صرف اتنا ہی لکھ دیا گیا ہے کہ فلاں حرف میں اتنی صفات قوت کی ہیں اور اتنی ضعف کی اور ان صفات کا نام نہیں لیا گیا، اس سے علاوہ اختصار کے یہ مقصود بھی ہے کہ طلبہ جب خود اپنی ذہانت سے ان صفات کو نکالیں گے تو اس حرف کی صفاتِ قویہ اور ضعیفہ ان کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں گی، ہاں کہیں کہیں صفات کے نام بھی ظاہر کر دیے گئے ہیں۔

④ نقشہ ہذا میں بعض حروف ایسے ہیں جن کی صفات کو سامنے رکھ کر ان حرفوں کو ان کی اقسام میں داخل کرنے کے بارے میں اشکال پیش آتا ہے! یہ اشکال کیا ہے اور یہ کہ وہ کن حرفوں کے بارے میں پیش آتا ہے؟ یہ دونوں چیزیں آگے توضیح کے ضمن میں آرہی ہیں۔ اور اب اقسامِ خمسہ کے حروف کو ترتیب وار ذکر کر کے صفاتِ معینہ کی روشنی میں ان کا ان اقسام میں داخل ہونا واضح کیا جاتا ہے:۔

حروفِ اقوی: اس عنوان کے ضمن میں چار حرف دکھائے ہیں، ان میں سے طاء تو ایسا حرف ہے جس کی چھیوں صفاتِ قویہ ہی ہیں اور صفاتِ ضعیفہ میں سے اس میں ایک بھی نہیں پائی گئی۔ اور باقی تین حرفوں میں ایک ایک صفت صفاتِ ضعیفہ میں سے پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ضاد وظاء میں رخاوت اور قاف میں انفتاح صفاتِ ضعیفہ میں سے ہیں اور باقی تمام قویہ ہیں۔ لہٰذا طاء

تو اقوی الحروف ہے اور باقی تین حروف اقویٰ میں سے ہیں۔ پس اس سے یہ نکل آیا کہ حروفِ اقویٰ کو صرف انہی حرفوں میں منحصر نہیں سمجھنا چاہیے جن میں تمام صفات قوت ہی کی ہوں بلکہ اس قسم میں ان حرفوں کو بھی داخل کیا گیا ہے جن میں ایک صفت ضعیف پائی گئی ہے۔

حروفِ قویّہ: اس قسم میں چھ حروف دکھائے گئے ہیں۔ ان میں صاد، جیم اور دال ان تین میں چار چار صفاتِ قویہ ہیں اور دو دو ضعیفہ اور غین میں تین قویہ ہیں اور دو ضعیفہ، اسلئے ان کا قوی ہونا تو ظاہر ہے، البتہ باء اور راء کے بارے میں کچھ اشکال ہوتا ہے، اسلئے کہ باء میں تین قوت کی ہیں اور تین ضعف کی اور راء میں تین قوت کی ہیں اور چار ضعف کی، کیونکہ توسط کو بھی ضعیفہ ہی میں شمار کیا ہے؟ سو ان کے قوی ہونے کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ باء میں اگرچہ تعدادِ صفات کے لحاظ سے قوت و ضعف دونوں مساوی ہیں لیکن چونکہ قلقلہ اقوی الصفات ہے اور شدت و جہر بھی باقی صفات سے قوی تر ہیں اور یوں بھی ضابطہ یہ ہے فَالْقَوِيُّ يَغْلِبُ عَلَى الضَّعِيفِ اسلئے باء کا شمار حروفِ قویہ میں کیا گیا ہے۔ رہی راء؟ سو اس میں اگرچہ تعداد کے لحاظ سے تو صفاتِ ضعیفہ زیادہ ہیں لیکن پھر بھی اس کو حروفِ قویہ میں شمار کرنا شاید اس بناء پر ہو کہ عروضِ استعلاء کا لحاظ کر لیا ہو۔ کیونکہ اس میں یہ اکثر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اذلاق و اصمات کو قویہ اور ضعیفہ دونوں ہی سے خارج سمجھ لیا ہو جیسا کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں نہ قویہ میں سے ہیں نہ ضعیفہ میں سے بلکہ متوسطہ ہیں۔ (دیکھو نہایۃ القول المفید)

حروفِ ضعیفہ: اس قسم کے پانچوں حرفوں میں چونکہ صفاتِ قویہ صرف دو دو ہی ہیں اور باقی تمام ضعیفہ ہیں اس لیے ان کا ضعیفہ میں شمار واضح ہے۔

حروفِ اضعف: اس قسم کے چھ حرفوں میں سے فَحَثَّهُ کے چار کا اضعف ہونا تو واضح ہے کیونکہ ان میں سے فاء میں پانچوں اور حَثَّهُ کے تین میں چار چار صفاتِ ضعیفہ ہیں، البتہ نون اور میم کے بارے میں اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان میں صفاتِ قویہ دو دو ہیں یعنی جہر و غنہ، اسلئے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ ان کا شمار سین و شین وغیرہ کی طرح حروفِ ضعیفہ ہی میں ہونا چاہیے،

لیکن ان کو حروفِ اضعف میں تنہا صاحبِ فوائدِ مکیہ ہی نے شمار نہیں کیا بلکہ دوسرے مصنفین نے بھی اسی قسم کے ضمن میں بیان کیا ہے، اسلئے اپنے ہی فہم کے قاصر ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

حروفِ متوسطہ: حروفِ متوسطہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ **اِذَا تَوَسَّطَ فِیْهِ الْاَمْرَانِ** یعنی جس میں قوت وضعف دونوں مساوی ہوں، اس کو سامنے رکھ کر اس قسم کے آٹھ حرفوں میں سے زاء کے بارے میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں تین صفتیں قوت کی ہیں اور تین ضعف کی لیکن باقی سات حرفوں کے بارے میں اشکال یقیناً پیش آتا ہے۔ اسلئے کہ ان میں سے چھ میں صرف دو دو صفتیں قوت کی ہیں اور تین تین ضعف کی، جسکا تقاضا یہ ہے کہ ان کا شمار حروفِ ضعیفہ میں ہو۔ اور ہمزہ میں اسکے برعکس ہے کیونکہ اس میں دو صفات ضعیفہ ہیں اور تین قویہ اور پھر ان میں سے بھی شدت وجہر یہ دو صفتیں ایسی ہیں جو قلقلہ کے بعد تمام صفات سے قوی تر مانی گئی ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسکا شمار حروفِ قویہ میں ہو۔

خلاصہ یہ کہ قوت وضعف کے اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے جو متن میں بیان کیا گیا ہے، نون، میم اور زاء کے سوا باقی سات حروف متوسطہ ہیں، ان نو حرفوں کے بارے میں اشکال پیش آتا ہے اور ان کا ان اقسام کے ضمن میں درج ہونا محلِ تشویش معلوم ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ تشویش اس بات سے ہوتی ہے کہ غین جس میں جہر واصمات کے علاوہ تیسری صفت استعلاء ہے، اس کو تو قویہ میں شمار کیا ہے اور ہمزہ جس میں جہر واصمات کے علاوہ تیسری صفت شدت ہے، اس کا شمار حروفِ متوسطہ میں کیا گیا ہے حالانکہ شدت، استعلاء وجہر دونوں سے قوی تر سمجھی گئی ہے۔

اور ایسے ہی لام کا شمار حروفِ ضعیفہ میں اور نون میم کا حروفِ اضعف میں، یہ بھی محلِ تعجب ہے کیونکہ ان دونوں کی ایک ہی حیثیت اور ایک ہی مرتبہ ہے۔ اسلئے کہ لام میں اگر صفاتِ قویہ میں سے جہر وانحراف ہے تو نون ومیم میں جہر وغنہ ہے، لیکن حروف کی یہ تقسیم جو فوائدِ مکیہ میں ہے اس میں صاحبِ فوائدِ مکیہ ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ نہایت القول المفید، خلاصۃ البیان اور فن کی دوسری

کتابوں میں بھی یہی تقسیم درج ہے، اسلئے اس کو کسی اختلافی تقسیم پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس تقسیم کو اتفاقی تسلیم کرتے ہوئے اپنے ہی فہم کا قصور ماننا پڑتا ہے۔

اور بعض حضرات نے اس اشکال کو مندرجہ ذیل توجیہ کے ذریعہ رفع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حروفِ کی یہ تقسیم اصطلاحی ہے، یعنی جن حرفوں کو جس درجہ کا بتایا گیا ہے اس میں کوئی ردو قدح نہیں ہوسکتی، خواہ قیاس میں آئے یا نہ آئے۔ ان مراتب میں سے کسی کا اطلاق خواہ کسی حرف پر من کل الوجوہ ہو یا بعض وجوہ سے ہو بہر حال جن کو قوی کہا گیا ہے وہ قوی ہیں اور جن کو ضعیف کہا گیا ہے وہ ضعیف ہیں۔ غرضیکہ جن حرفوں کو جس مرتبہ کا کہا گیا ہے وہ اسی مرتبہ کے مانے جائیں گے، اس میں کسی کے چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے لَا مُنَاقَشَةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ،

لیکن حق یہ ہے کہ اس جواب سے بھی تشفی نہیں ہوتی، اسلئے کہ اگر یہ تقسیم محض اصطلاحی ہی ہوتی اور اس میں ردو قدح اور چوں وچرا کی مجال نہ ہوتی تو اس بارے میں کوئی ضابطہ اور اصول بیان نہ کیا جاتا، بس اتنا ہی کہہ دیا جاتا کہ فلاں فلاں حرف قوی ہے اور فلاں فلاں ضعیف وغیرہ وغیرہ، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ ان کے بارے میں پہلے ایک اصول اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے اور قوت وضعف کے مراتب معلوم کرنے کیلئے ایک معیار مقرر کیا گیا ہے کہ: [ہر حرف میں جتنی صفتیں قوت کی ہوں گی اتنا ہی حرف قوی ہوگا اور جتنی صفتیں ضعف کی ہوں گی اتنا ہی حرف ضعیف ہوگا] تو اب ظاہر ہے کہ حروفِ کی قوت وضعف کو جانچنے اور یہ معلوم کرنے کیلئے کہ کون سا حرف ان میں سے کس قسم میں داخل ہے، اس اصول اور اسی معیار کو مدنظر رکھنا پڑے گا اور ہر حرف کو وہی درجہ دینا پڑیگا جو اس اصول کی رو سے اس کے لیے معین ہوگا۔

لیکن اس عدمِ تشفی کے باوجود اپنے دماغ میں بھی اس کی کوئی ایسی توجیہ نہیں آسکی جس سے اطمینان میسر آجائے، اس لیے اہلِ علم اور اصحابِ فضل وکمال سے التماس ہے کہ وہ زیر بحث عقدہ کو حل کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں اور محشی کو بھی اس حل سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں شکریہ کے ساتھ اس کو درج کر دیا جائے۔

شمار	حروف کی قسمیں	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱	اقوی حروف	ط	ض	ظ	ق				
۲	قوی حروف	ج	د	ص	غ	ر	ب		
۳	متوسط حروف	ز	ت	خ	ذ	ع	ک	ء	ا
۴	ضعیف حروف	س	ش	ل	و	ی			
۵	اضعف حروف	ث	ح	ن	م	ف	ھ		

فائدہ: ① ہمزہ میں شدت اور جہر کی وجہ سے کسی قدر سختی ہے مگر نہ اسقدر کہ ناف ہل جائے، ناف سے حروف کو کچھ علاقہ[21] ہی نہیں۔ ② ف ھ یہ دونوں حرف اضعف[22] الحروف ہیں، نہایت ہی نرمی[23] سے ادا ہونے چاہئیں۔ ③ حرف ع ح کے ادا کرتے وقت گلا نہ گھونٹا[24] جائے بلکہ وسطِ حلق سے نہایت لطافت سے بلا تکلّف نکالنا چاہیئے۔

[21] کیونکہ مخارج کی ابتداء اقصیٰ حلق سے ہوتی ہے اس سے نیچے کوئی مخرج نہیں اور اگر تکلّف کر کے اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشقت میں مبتلا کر کے ہمزہ کی ادائیگی میں ناف کو ہلایا بھی جائے تو اس صورت میں صرف یہی نہیں کہ یہ حرف غلط ادا ہوگا بلکہ قاری کی یہ حرکت بھی انتہائی معیوب سمجھی جائیگی۔

[22] فاء کا اضعف الحروف ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ اسمیں پانچوں صفتیں ضعف ہی کی ہیں، البتہ حاء میں اصمات کیوجہ سے کچھ تردّد ہوتا ہے، سو حل اسکا یہ ہے کہ اوّلاً تو اصمات کا ادا میں کوئی ایسا زیادہ اثر نہیں اور پھر یہ کہ اسمیں ایک صفت اور ہے جسکا نام خفاء ہے اور وہ بھی ضعیف ہے وَاللّٰهُ اَعْلَم۔

[23] لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ضعیف اور نرم ادا کرنے میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ فاء مثل واؤ کے اور ھاء مثل ہمزۂ مسہّلہ کے ہو جائے جیسا کہ بعض لوگوں کا تلفظ شاہد ہے (از تعلیقاتِ مالکیہ)۔ کیونکہ اس صورت میں حرف کی ماہیت ہی بدل جاتی ہے۔

[24] کیونکہ یہ معیوب اور قبیح ہے اور اس سے آواز بھی کریہہ ہو جاتی ہے خصوصاً سکون اور تشدید کی حالت میں اسکا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ان حالتوں میں اس غلطی کا وقوع عام ہے۔

چوتھی فصل[۱]: ہر حرف کی صفاتِ[۲] لازمہ کے بیان میں

شمار	حروف	اسمائے صفاتِ[۳] لازمہ
۱	ا	مجہور رخو مستفل منفتح[۴] مدّہ[۵] مفخم یا مرقق
۲	ب	مجہور شدید مستفل منفتح مقلقل
۳	ت	مہموس شدید مستفل منفتح
۴	ث	مہموس رخو مستفل منفتح
۵	ج	مجہور شدید مستفل منفتح مقلقل
۶	ح	مہموس رخو مستفل منفتح
۷	خ	مہموس رخو مستعلی منفتح مفخم[۶]
۸	د	مجہور شدید مستفل منفتح مقلقل
۹	ذ	مجہور رخو مستفل منفتح
۱۰	ر	مجہور متوسط مستفل منفتح تکرار مفخم یا مرقق
۱۱	ز	مجہور رخو مستفل منفتح صفیر
۱۲	س	مہموس رخو مستفل منفتح صفیر
۱۳	ش	مہموس رخو مستفل منفتح تفشی
۱۴	ص	مہموس رخو مستعلی مطبق صفیر مفخم
۱۵	ض	مجہور رخو مستعلی مطبق مستطیل مفخم
۱۶	ط	مجہور شدید مستعلی مطبق مقلقل مفخم
۱۷	ظ	مجہور رخو مستعلی مطبق مفخم
۱۸	ع	مجہور متوسط مستفل منفتح
۱۹	غ	مجہور رخو مستعلی منفتح مفخم
۲۰	ف	مہموس رخو مستفل منفتح
۲۱	ق	مجہور شدید مستعلی منفتح مقلقل مفخم
۲۲	ک	مہموس شدید مستفل منفتح
۲۳	ل	مجہور متوسط مستفل منفتح مرقق یا مفخم
۲۴	م	مجہور متوسط مستفل منفتح غنہ
۲۵	ن	مجہور متوسط مستفل منفتح غنہ
۲۶	و[۷]	مجہور رخو مستفل منفتح
۲۷	ھ	مہموس رخو مستفل منفتح
۲۸	ء	مجہور شدید مستفل منفتح
۲۹	ی	مجہور رخو مستفل منفتح

حواشی نمبر ۲ تا ۷ صفحہ نمبر ۴۴ تا ۴۹ پر دیکھیں

حواشی فصل چہارم

[۱] تیسری فصل میں مؤلف رحمہ اللہ ہر صفتِ لازمہ کا ذکر کر کے اسکے حرفوں کو بیان فرما چکے ہیں یعنی یہ کہ فلاں صفت فلاں فلاں حرف میں پائی جاتی ہے اور فلاں صفت فلاں حرف میں، مثلاً یہ کہ صفتِ

ہمس فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ کے دس حرفوں میں پائی جاتی ہیں اور صفتِ قلقلہ قُطْبُ جَدٍّ کے پانچ حرفوں میں، وغیرہ وغیرہ۔ اور اب اس فصل میں ایک جدول میں حروفِ ہجاء کو لکھ کر ہر حرفِ تہجی میں جو جو صفات پائی جاتی ہیں ان کو دکھایا ہے۔ پس تیسری فصل میں تو حروف کو صفات کے ضمن میں بیان فرمایا تھا اور اب چوتھی فصل میں صفات کو حروف کے ضمن میں بیان فرمارہے ہیں تو گویا یہ فصل فصلِ سابق کا خلاصہ اور ماحصل ہے۔ جہاں تک اس جدول کا تعلق ہے امید ہے کہ اولاً تو جمال القرآن ورنہ معلم التجوید پڑھاتے وقت اساتذہ کرام طلباء سے اس قسم کا جدول تیار کرا ہی چکے ہوں گے اور احقر ان دونوں کتابوں میں یہ مشورہ اساتذہ کی خدمت میں عرض کر چکا ہے۔ اب ایک اور مشورہ اس نقشہ کے بارے میں طلباء کو دیا جاتا ہے، اگر وہ اس پر عمل کریں گے تو امید ہے کہ یہ ان کیلئے بہت ہی مفید ثابت ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ اس نقشہ میں ہر ہر حرف کی جو جو صفات درج کی گئی ہیں طلباء ان کو ذہن میں رکھ کر اس حرف کو ان صفات کی روشنی میں ادا کرنے کی مشق کریں۔ مثلاً صاد کے خانہ میں یہ پانچ صفتیں درج ہیں: ہمس رخاوت استعلاء اطباق صفیر تو اب ہمس کی وجہ سے تو اس کی آواز پست ہوگی اور رخاوت کی وجہ سے نرم اور سانس اور آواز دونوں ہی جاری رہیں گے اور استعلاء و اطباق کی وجہ سے یہ خوب پُر ادا ہوگا اور صفیر کی وجہ سے اسکے ادا ہوتے وقت ایک تیز آواز پیدا ہوگی۔ ایسے ہی الف سے یاء تک کے تمام حرفوں کی صفات میں غور کر کے ان کو ادا کرنے کی مشق کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو انشاء اللہ العزیز تجوید میں کمال پیدا ہوگا اور اس علم کی معرفت حاصل ہوگی۔ اس سارے فن کا خلاصہ اور لُبِّ لُباب یہی ہے۔ اس حاشیہ میں تو گنجائش نہیں البتہ التبیان میں ہم نے یہ بحث پوری تفصیل و توضیح کیساتھ درج کر دی ہے جو کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں ہر حرفِ تہجی کے مخرج اور اس کی صفات کو ذکر کر کے مخرج اور صفت دونوں کی روشنی میں اس حرف کی صحیح ادا اور اسکے صحیح تلفظ کو بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس حرف میں تلفظ اور ادا کے لحاظ سے جس جس طرح کی غلطی کے ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے اس سے آگاہ کر کے اس غلطی سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ناظرین دل سے دعاء کریں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کتاب کو

پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور پھر اس کی منظرِ عام پر لانے کی توفیق عطاء فرمائے۔

۲ اس جدول میں اکثر تو صفاتِ لازمہ ہی ہیں یعنی عنوان مطابق مضمون کے ہے البتہ تفخیم و ترقیق یہ دو صفتیں لازمہ نہیں بلکہ عارضہ ہیں، مگر یہ جن صفات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں یعنی استعلاء واستفال وہ چونکہ لازمہ ہیں اسلئے جدول میں ان دو کا ذکر کرنا بھی ضروری تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر نقشہ ہذا میں باقی صفاتِ عارضہ کو کیوں نہیں دکھایا گیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ صفاتِ لازمہ کی طرح ان دو کا تعلق بھی چونکہ حروفِ مفردہ کے ساتھ ہی ہے بخلاف باقی صفاتِ عارضہ کے، کہ وہ چونکہ عارض بالحرف ہیں یعنی دوسرے حرفوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں اور ان کا تعلق مفرد حرفوں کے ساتھ نہیں اور یہاں حالات بیان ہو رہے ہیں حروفِ مفردہ کے، اسلئے ان کے ذکر کا یہاں موقع ہی نہیں تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ، فَافْهَمْ وَتَاَمَّلْ۔ ۱۲

۳ یعنی نام۔ مگر ان ناموں کو اکثر موقعوں میں موصوفات کے ضمن ہی میں بیان کیا ہے خود ان صفات کے نام نہیں لکھے۔ مثلاً دال کے ذیل میں اس طرح نہیں لکھا: جہر شدت استفال انفتاح قلقلہ، بلکہ اس طرح لکھا ہے: مجہور شدید مستفل منفتح مقلقل۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خود صفات کے نام لکھتے تو اس سے یہ نکلتا کہ خود دال ہی شدت اور جہر وغیرہ ہے، حالانکہ دال تو موصوف ہے اور شدت جہر وغیرہ اس کی صفات ہیں اور اس اندازِ بیان سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان صفات کی وجہ سے حروف جن القاب سے ملقّب ہوتے ہیں ان کا بھی پتہ چل گیا۔ مثلاً شدت کی وجہ سے شدید، جہر کی وجہ سے مجہور اور قلقلہ کی وجہ سے مقلقل وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ تیسری فصل میں اکثر موقعوں میں صفات ہی کے نام ذکر کیے تھے حروف کے القاب کا ذکر بہت کم موقعوں میں ہوا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ (دیکھو ایضاح البیان، لمعہ پانچ، حاشیہ نمبر ۸)

۴ اگرچہ مد کے نام کی کوئی صفت اس رسالہ میں بیان نہیں کی گئی مگر چونکہ یہ اپنے حرفوں کیلئے ایسی لازم ہے کہ شاید دوسری کوئی صفت اس درجہ کی لازم نہ ہو کیونکہ دوسری صفات کے ادا نہ ہونے سے یا تو موصوف میں نقصان واقع ہوتا ہے اور یا ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا

ہے، لیکن صفتِ مد ایسی صفت ہے کہ اگر یہ ادا نہ ہو تو سرے سے حرف کی ذات ہی معدوم ہو جاتی ہے۔ گویا یہ صفت بمنزلہ ذات کے ہے کہ اسکا فقدان حرف کی ذات کا فقدان ہے، اسلئے اسکا نقشہ ہذا میں درج کرنا ضروری تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم

رہا یہ سوال کہ جب یہ صفت اتنی ہی ضروری ہے تو پھر اس کو صفاتِ لازمہ کے سلسلہ میں کیوں نہیں بیان کیا؟ سو جواب اسکا یہ ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کے بہت ہی واضح ہونے کی بناء پر اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، پس اغلب یہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اسی بناء پر صفاتِ لازمہ کے سلسلہ میں اسکے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی، مگر یہ مقام اور آئندہ فصل یعنی تمایز بالصّفت کی بحث، یہ موقعے چونکہ ایسے ہیں جن میں صفات کو سامنے رکھ کر حروف کی ادا میں غور کرنے اور ہم مخرج حرفوں کے ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کو سمجھایا گیا ہے۔ گویا ان دونوں موقعوں میں حرف کی جملہ کیفیاتِ ادا کو ملحوظ رکھ کر حرف کی حقیقت تک پہنچنے کی دعوت دی ہے، اسلئے ان موقعوں میں مد کے بیان کرنے کی ضرورت تھی اور اسی ضرورت کے پیش نظر مؤلف رحمہ اللہ نے ان دونوں موقعوں میں اس کو بیان فرمایا ہے اور اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گیا کہ اگر الف کا از روئے مخرج جوفی ہونا بیان نہیں ہوا تھا تو از روئے صفت مدّہ ہونا بیان ہو گیا۔ چنانچہ علّامہ شاطبی رحمہ اللہ نے بھی مخارج کے سلسلہ میں جوف کو تو بیان نہیں کیا لیکن صفات کے سلسلہ میں مد کو بیان فرمایا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم

۵ اس جدول میں الف، لام اور راء ان تین حرفوں کے خانہ جات میں مفخم یا مرقق جو لکھا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف کبھی تو پُر پڑھے جاتے ہیں اور کبھی باریک، کیونکہ یہ اگرچہ ہیں تو مستفلہ مگر بعض حالتوں میں ان میں صفتِ استعلاء عارض ہو جاتی ہے۔ پس جس حالت میں یہ صفت عارض نہیں ہوتی اس وقت تو یہ حروف باریک ہی ادا ہوتے ہیں اور جب عارض ہوتی ہے تو اس وقت پُر پڑھے جاتے ہیں، اسلئے ان کو شبہ مستعلیہ کہا جاتا ہے، بس اسی بات کی طرف اشارہ کرنے یعنی ان حروف کی دو حالتیں بتانے کی غرض سے ہی مؤلف رحمہ اللہ نے لفظ "یا" کے ساتھ ارقام فرمایا

ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم

[۶] خاء کو چونکہ استعلاء لازم ہے اسلئے یہ ہمیشہ مفخم ہی ادا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں مفخم کے ساتھ [یا مرقق] نہیں لکھا اور آئندہ آنے والے وہ تمام حروف جن کے ساتھ صرف مفخم ہی لکھا ہوا ہے، ان سب کے بارے میں بھی یہی سمجھنا چاہیے۔

[۷] واؤ اور یاء کے خانوں میں جو نہ مدّہ درج ہے نہ لین تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو نہ اوّل لازم ہے نہ ثانی۔ چنانچہ مدّہ ہونے کی حالت میں تو یہ لین نہیں ہوتے اور لین ہونے کی حالت میں یہ مدّہ نہیں ہوتے اور متحرک ہونے کی حالت میں نہ مدّہ ہوتے ہیں نہ لین، لیکن اسکا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ مد اور لین خود یہ دونوں صفتیں ہی لازمہ نہیں، یہ بلاشبہ لازمہ ہیں، مگر اپنے حرفوں کیلئے۔ پس مد لازم ہے حروفِ مدّہ کیلئے اور لین لازم ہے حروفِ لین کیلئے۔ اور مدّہ اور لین کی تعریف مشہور ہے۔ اور جب یہ متحرک ہوتے ہیں اس وقت چونکہ نہ مدّہ ہوتے ہیں نہ لین، اسلئے اس وقت یہ ان دونوں میں سے کسی صفت سے بھی متصف نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ کہ ان دونوں حرفوں کو چونکہ ایک ہی حالت لازم نہیں بلکہ ان کی تین حالتیں ہیں:۔ مدّہ، لین، متحرک، اسلئے ان کو صفت بھی ایک ہی لازم نہیں بلکہ ایک حالت میں ان کو ایک صفت لازم ہوتی ہے، دوسری میں دوسری اور تیسری میں دونوں ہی صفتوں سے خالی ہوتے ہیں اور اسی عدمِ لزوم ہی کی بناء پر غالباً مؤلف رحمہ اللہ نے ان کے خانوں کو خالی چھوڑ دیا ہے اور دونوں میں سے کوئی سی صفت بھی درج نہیں فرمائی اور عدم ذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ صفات کے سلسلہ میں مد اور لین کا ذکر نہیں ہوا تھا اسلئے موصوفات کے ضمن میں بھی بیان نہیں کیا اور الف کی طرح ان کو مدّیّت لازم تھی نہیں کہ صفات کے سلسلہ میں بیان نہ کرنے کے باوجود یہاں موصوفات کے ضمن میں بیان فرماتے۔

پانچویں فصل: صفاتِ مُمیّزہ[1] کے بیان میں

حروف اگر صفاتِ لازمہ میں مشترک ہوں تو مخرج سے ممتاز ہوتے ہیں اور اگر مخرج میں متحد ہوں تو صفتِ لازمہ منفردہ[2] سے ممتاز[3] ہوتے ہیں۔ جن حرفوں میں تمایز بالمخرج ہے

حواشی فصل پنجم

[۱] یہ صفاتِ لازمہ ہی کا دوسرا نام ہے جیساکہ جمال القرآن اور معلم التجوید میں پڑھ چکے ہو اور ان کو مُمیّزہ کہنے کی وجہ بھی وہاں معلوم ہو ہی چکی ہے کہ یہ صفات ایک مخرج کے دو یا تین حرفوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں اسلیئے ان کو مُمیّزہ کہتے ہیں۔ مثلاً ہمزہ اور ھاء دونوں ہم مخرج ہیں اور بعض صفات میں بھی شریک ہیں۔ چنانچہ دونوں مستفلہ منفتحہ ہیں لیکن بعض صفات ایسی بھی ہیں جن میں یہ دونوں شریک نہیں بلکہ وہ ان میں سے ایک میں تو ہیں اور دوسرے میں نہیں ہیں۔ چنانچہ ہمزہ میں تو جہر اور شدت ہے اور ھاء میں ہمس و رخاوت۔ پس جہر اور شدت تو ہمزہ کیلئے مُمیّز ہیں کہ اس کو ھاء سے جدا کرتی ہیں اور ہمس و رخاوت ھاء کیلئے مُمیّز ہیں کہ وہ اس کو ہمزہ سے جدا کرتی ہیں اور اگر یہ دونوں مہموسہ رخوہ یا مجہورہ شدیدہ ہوتے تو پھر یہ دو حرف نہ ہوتے بلکہ ایک ہی حرف ہوتا کیونکہ مخرج اور استفال و انفتاح میں تو یہ شریک تھے ہی۔ پس ایسی صفات جن سے ایک مخرج کے دو یا تین حرفوں کا الگ الگ اور ممتاز ہونا ظاہر ہوا نہی کو مُمیّزہ کہتے ہیں اور اس فصل میں مؤلف رحمہ اللہ نے ہر ہر مخرج کے حرفوں میں یہی چیز بیان فرمائی ہے کہ اس مخرج کے حرفوں کو ایک دوسرے سے کون کونسی صفات جدا کرتی ہیں۔

[۲] یوں تو صفاتِ لازمہ غیر متضادّہ کو بھی منفردہ کہتے ہیں مگر یہاں اس سے وہ مراد نہیں ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ حروف میں تمایز صرف صفاتِ غیر متضادّہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ تمایز زیادہ تر صفاتِ متضادّہ کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، اسلیئے یہاں منفردہ سے مراد وہ صفاتِ لازمہ ہیں جو حروفِ متجانسین میں سے بعض میں ہوں اور بعض میں نہ ہوں اور ان کا انفراد اس معنیٰ کر کے ہے کہ یہ ایک مخرج کے دو یا تین حرفوں میں سے بعض میں ہوتی ہے اور بعض میں نہیں ہوتی جیسے غین

اور خاء، کہ یہ دونوں مخرج اور اکثر صفاتِ لازمہ میں مشترک ہیں البتہ غین میں جہر ہے اور خاء میں ہمس، پس غین کو خاء سے امتیاز جہر کی وجہ سے ہوا اور خاء کو غین سے ہمس کی وجہ سے۔ لہٰذا جہر اس بناء پر منفرد ہے کہ وہ ایک مخرج کے دو حرفوں میں سے تنہا ایک ہی میں ہے دوسرے میں نہیں اور ایسے ہی ہمس بھی اسی وجہ سے منفرد کہلائے گی کہ وہ متجانسین میں سے تنہا خاء میں ہے اور غین میں نہیں۔ یا جیسے عین و حاء کہ یہ دونوں مخرج اور بعض صفات میں شریک ہیں، البتہ عین میں جہر و توسط ہیں اور حاء میں ہمس و رخاوت۔ پس عین کو حاء سے جہر و توسط کی وجہ سے امتیاز ہوا اور حاء کو عین سے ہمس و رخاوت کی وجہ سے۔ لہٰذا جہر و توسط اس بناء پر منفرد کہلائیں گی کہ وہ حروفِ متجانسین میں سے صرف ایک ہی میں پائی جاتی ہیں اور دوسرے میں نہیں پائی جاتیں اور ایسے ہی ہمس و رخاوت بھی اسی لیے منفرد کہلائیں گی کہ یہ ایک مخرج کے حرفوں میں سے بعض میں ہیں اور بعض میں نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہاں "منفردہ" مُمیّزہ ہی کو کہا گیا ہے، کیونکہ ہر وہ صفت جو مُمیّز ہوگی مذکورۂ بالا وضاحت کی رو سے منفرد بھی ضرور ہوگی، عام اس سے کہ وہ صفت ایک ہو یا ایک سے زیادہ جیسا کہ غین میں جہر اور خاء میں ہمس، یا جیسے عین میں جہر و توسط اور حاء میں ہمس و رخاوت، کیونکہ ان کا انفراد خود ان کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ حروفِ متجانسین میں سے بعض میں ہوتی ہیں اور بعض میں نہیں ہوتیں۔ لہٰذا حروفِ متجانسین میں جن صفتوں کی وجہ سے بھی تمایز ہوگا خواہ وہ متضادّہ ہوں یا غیر متضادّہ، نیز یہ کہ وہ ایک ہوں یا ایک سے زیادہ ہوں، ایسی تمام صفات کو منفردہ ہی کہیں گے۔ اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ جب عام اصطلاح میں "منفردہ" غیر متضادّہ کو کہتے ہیں جیساکہ معلم التجوید میں بھی "منفردہ" غیر متضادّہ ہی کو کہا گیا ہے تو پھر یہاں اس عام اصطلاح کو چھوڑ کر منفردہ کا اطلاق متضادّہ اور غیر متضادّہ سب پر کیوں کیا گیا ہے؟

تو جواب اسکا یہ ہے کہ موقع اور محل کے بدل جانے سے اہلِ فن کے اطلاقات کا مفہوم بدل جایا کرتا ہے۔ چنانچہ لفظ مفرد کا اطلاق اگر تثنیہ اور جمع کے مقابلہ میں ہو تب تو اس سے مراد وہ شے ہوتی ہے جسکا مدلول ایک ہو اور جب اسکا استعمال منادیٰ کی بحث میں کیا جاتا ہے تو اس وقت اس سے مراد مضاف اور مشابہ بالمضاف کا مقابل ہوتا ہے خواہ اسکے مدلول دو یا دو سے زیادہ ہی کیوں

ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں[۴]، البتہ حروف متحدہ[۵] فی المخرج کے بیان کرنے کی ضرورت

نہ ہوں چنانچہ اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اَلْمُؤْمِنُوْنَ منادیٰ مفرد ہی کہلائیگا اگرچہ یہ اپنی ہیئت اور اپنے مدلول کے اعتبار سے جمع ہے، ایسے ہی جب مفردہ کا اطلاق متضادّہ کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے تو اس وقت ان سے مراد صفاتِ غیر متضادّہ ہی لی جاتی ہیں۔ یعنی وہ صفات جو تنہا اور اکیلی ہیں اور ان کی کوئی ضد نہیں، لیکن یہاں چونکہ ان کا اطلاق مشترکہ کے مقابلہ میں کیا گیا ہے اسلئے ان سے مراد وہ تمام صفات لی جائیں گی جو حروفِ متجانسین میں سے بعض میں ہوں اور بعض میں نہ ہوں خواہ وہ متضادّہ ہوں اور خواہ غیر متضادّہ۔ کیونکہ صفاتِ مشترکہ ان صفات کو کہتے ہیں جو ایک مخرج کے تمام حرفوں میں پائی جاتی ہیں جیساکہ حروفِ نطعیہ میں شدت و اصمات اور حروفِ لثویہ میں رخاوت، وغیرہ وغیرہ۔ پس یہاں انفراد مقابل ہے اشتراک کا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَم

[۳] پس حرفوں کے ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کے یہی دو وجوہ ہوتے ہیں:۔ یا تو ان حرفوں کا مخرج الگ الگ ہوتا ہے اور یا وہ دونوں صفات میں متحد نہیں ہوتے، اور اگر مخرج بھی ایک ہو اور صفات میں بھی کلیۃً شریک ہوں تو پھر وہ دو حرف ہو ہی نہیں سکتے بلکہ حرفِ مکرر ہوگا، اسی واسطے مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: حروف اگر صفاتِ لازمہ میں ..... الخ

[۴] جن حرفوں میں مخرج سے تمایز ہوتا ہے ان کو بیان کرنے کی ضرورت مؤلف رحمہ اللہ نے اسلئے نہیں سمجھی کہ تمایز بالمخرج کا معلوم کرلینا بہت آسان ہے۔ چنانچہ یہ بات ذرا غور کرنے سے معلوم ہوجاتی ہے کہ ان دو حرفوں کا مخرج ایک ہے یا الگ الگ، جبکہ یہ بھی آسانی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان میں سے فلاں حرف کا مخرج کیا ہے اور فلاں کا کیا بخلاف تمایز بالصّفت کے، کہ نفسِ تمایز کا معلوم ہوجانا تو اگرچہ اسمیں بھی آسان ہی ہے لیکن اس تمایز کی تفصیل بغیر غور و فکر کے معلوم نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو آسانی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان حرفوں میں تمایز بالصّفت ہے کیونکہ جن حرفوں کا مخرج ایک ہوگا ان میں لامحالہ تمایز بالصّفت ہی ہوگا لیکن یہ غور کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تمایز کن صفتوں کی وجہ سے ہے، اسی لیے مؤلف رحمہ اللہ نے اس فصل میں تمایز بالصّفت ہی کی وضاحت فرمائی ہے۔

[۵] اور مختلف فی الصفات۔ کیونکہ انہی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اور اصطلاح میں متجانسین بھی انہی

ہے:۔ الف، ہمزہ، ھاء میں الف ممتاز ہے مدیت میں اور ہمزہ ممتاز ہے ھاء سے جہر اور شدت میں، باقی صفات میں یہ دونوں متحد ہیں۔ عین حاء: حاء میں ہمس اور رخاوت ہے، عین میں جہر و توسط، باقی میں اتحاد۔ غین خاء: غین میں جہر ہے باقی میں اتحاد۔

کو کہتے ہیں۔ ورنہ اگر صفات میں بھی اتحاد ہو تو اس صورت میں تو مثلین کہلاتے ہیں اور ان کے بیان کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶ اب یہاں سے مؤلف رحمہ اللہ حروفِ متجانسین یعنی متحد المخرج ومختلف الصفات حرفوں کے تمایز کو ترتیب وار بیان فرمارہے ہیں اور اسلوبِ بیان یہ اختیار کیا ہے کہ کہیں تو صرف صفاتِ مُمیزہ کو بیان کر کے اس طرح فرمادیا ہے کہ باقی صفات میں اتحاد ہے اور کہیں مُمیزہ کو بھی بیان فرمایا ہے اور مشترکہ کو بھی۔ بہر حال یہ کوئی ایسی مشکل چیز نہیں، اگر طلباء اس فصل کو غور سے پڑھیں گے تو تمایز اور اشتراک کو آسانی سے سمجھتے چلے جائیں گے۔ البتہ اس بحث سے جو مقصود ہے یعنی یہ کہ ایک مخرج کے حرفوں میں تمایز بالصفات کی وجہ سے ان کے تلفظ اور ادا میں جو امتیاز اور تغایرِ صوتی پیدا ہو جاتا ہے، اس کو سمجھنا اور نہ صرف سمجھنا بلکہ اس کی عملی مشق کرنا، یہ ایک مشکل کام ہے۔ اور اس بحث میں قاف، کاف اور فاء ان تینوں حرفوں کا جو ذکر نہیں آیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مجانس کوئی نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے مخرج سے تنہا ہی ادا ہوتا ہے اور یہاں تمایز بیان ہو رہا ہے حروفِ متجانسین میں۔ اور گو ضاد میں بھی ان کی طرح منفرد ہی ہے یعنی وہ بھی اپنے مخرج سے تنہا ہی ادا ہوتا ہے مگر چونکہ اس کی آواز ظاء کی آواز سے بوجہ اشتراکِ صفاتِ ذاتیہ بہت مشابہ ہے گویا ان دونوں میں صفتی تجانس ہے، اسلئے اسکا ذکر کیا ہے اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ کیونکہ بعض لوگ ان دونوں کا مخرج الگ الگ ہونے کی آڑ لے کر ان میں تشابہ صوتی کے منکر ہیں۔

۷ مگر خلیل رحمہ اللہ کے مذہب کی رو سے مدیت کو تمایز کا سبب قرار دینے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ ان کے نزدیک الف اور ہمزہ وھاء میں تمایز بالمخرج ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب مؤلف رحمہ اللہ نے صفاتِ لازمہ کے سلسلے میں مد کو بیان نہیں کیا تو پھر یہاں کیوں کیا ہے؟ سو اس کا جواب بابِ اوّل کی چوتھی فصل کے حاشیہ نمبر۴ (صفحہ:۴۴) کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

جیم، شین، یاء: جیم میں شدت ہے، شین میں ہمس و تفشی ہے، باقی استفال اور انفتاح میں تینوں مشترک ہیں اور جہر میں جیم یاء اور رخاوت میں شین یاء مشترک ہیں۔ طاء، دال، تاء: شدت میں اشتراک اور طاء، دال جہر میں بھی مشترک ہیں اور تاء، دال استفال وانفتاح میں مشترک ہیں اور طاء میں اطباق واستعلاء ہے اور تاء میں ہمس ہے۔ ظاء، ذال، ثاء کا رخاوت میں اشتراک ہے اور ظاء، ذال جہر میں اور ذال، ثاء استفال وانفتاح میں مشترک ہیں۔ اور ظاء میں مُمیّزہ صفت استعلاء واطباق ہے اور ذال، ثاء میں صفتِ مُمیّزہ جہر وہمس[8] ہے۔ صاد، زاء، سین: رخاوت صفیر میں مشترک اور صاد، سین ہمس میں اور زاء، سین استفال انفتاح میں مشترک ہیں اور صاد میں صفتِ مُمیّزہ استعلاء اطباق اور زاء، سین میں جہر ہمس ہے۔ لام، نون، راء: جہر توسط استفال انفتاح میں مشترک ہیں اور لام، راء انحراف[9] میں مشترک ہیں اور ان میں تمایز[10] مخرج سے ہے۔ اسی واسطے سیبویہ اور خلیل رحمہ اللہ نے ان کا مخرج الگ ترتیب وار رکھا ہے اور فراء رحمہ اللہ نے قرب کا لحاظ کر کے ایک مخرج بیان کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ نون میں غنہ ہے اور راء میں تکرار۔ واؤ، باء، میم جہر استفال انفتاح میں

[8] ذال، ثاء میں جہر وہمس کے مُمیّز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذال میں تو جہر ہے اور ثاء میں ہمس اور صرف اسی ایک جوڑے کی دو صفتوں کی وجہ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں ورنہ باقی صفات میں دونوں متحد ہیں۔

[9] تمایز بالصّفت کے سلسلہ میں انحراف کو بیان کرنا اور اذلاق واصمات کو نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ انحراف کا تعلق ادا سے بہ نسبت اذلاق واصمات کے زیادہ ہے اور اذلاق واصمات کا احساس انحراف سے مشکل ہے۔

[10] مطلب یہ کہ ان حرفوں میں تمایز صرف صفات ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ مخرج کی وجہ سے بھی ہے۔ گویا مصنّف رحمہ اللہ "خلیل رحمہ اللہ" کے مذہب کو ترجیح دے رہے ہیں۔

مشترک اور واؤ کے ادا کرتے وقت شفتین میں کسی قدر انفتاح[11] رہتا ہے، اس وجہ سے اپنے مجانسوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ گویا اس[12] میں بھی تمایز بالمخرج ہے اور باء میں شدت اور قلقلہ اور میم میں توسط اور غنہ ممیزہ ہے اور ضاد ظاء میں جہر رخاوت استعلاء اطباق ہے اور ضاد میں استطالہ ہے اور ممیز[13] مخرج ہے مگر اشتراک صفاتِ ذاتیہ کی وجہ سے فرق کرنا اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا ماہرین[14] کا کام ہے اور ماہر کے فرق کو بھی ماہر ہی خوب سمجھتا ہے۔

[11] یہ انضمام ہی کی دوسری تعبیر ہے اور فن کی عربی کتابوں کی عبارت کا صحیح ترجمہ یہی ہے، کیونکہ ان میں اس کیفیت کو انفتاحِ قلیل سے تعبیر کیا جاتا ہے، اردو کتابوں میں اسی کو انضمام سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ پس انفتاحِ قلیل اور انضمام دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

[12] اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ واؤ کا مخرج باء اور میم سے جدا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ فراء کے نزدیک پندرہ[15]، سیبویہ کے نزدیک سترہ[17] اور خلیل کے نزدیک اٹھارہ[18] مخرج ہوں، حالانکہ ایسا نہیں۔ لہٰذا یہاں تمایز بالمخرج سے تمایز باحوالِ مخرج مراد لیا جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ باء، میم اور واؤ ان تینوں کے نکلنے کی جگہ تو ایک ہی ہے، البتہ ان کے ادا ہوتے وقت شفتین کی کیفیت مختلف ہوتی ہے کہ واؤ میں تو انضمامِ شفتین ہوتا ہے اور باء و میم میں انطباقِ شفتین۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم

[13] مطلب یہ ہے کہ ظاء اور ضاد میں امتیاز صرف استطالت ہی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس امتیاز میں زیادہ تر دخل مخرج کو ہے چنانچہ علامہ جزری رحمہ اللہ (جزریہ شعر: ۵۲) فرماتے ہیں:

وَالضَّادَ بِاسْتِطَالَةٍ وَّمَخْرَجِ مَيِّزْ مِنَ الظَّآءِ ..... الخ

یعنی ضاد کو بوجہ استطالت اور مخرج کے ظاء سے ممیز کر کے پڑھو۔

[14] کیونکہ یہ امتیاز اور فرق باریک ہے اسلئے کہ صفات میں سے صرف استطالت ہی ایک ایسی صفت ہے جو ان دونوں میں ممیز ہے ورنہ باقی تمام صفاتِ ذاتیہ میں یہ دونوں شریک ہیں جس کی وجہ سے یہ دونوں تلفظ اور سمع میں مشابہ ہیں اور اسی مشابہت کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے ممتاز کر کے ادا کرنا، ظاہر ہے کہ بغیر کامل مشق کے نہیں ہو سکتا اور پھر اس فرق کو سمجھ بھی وہی سکتا ہے جو

خود بھی ان دونوں میں فرق کر سکتا ہو، اسلئے فرمایا کہ ماہر کے فرق کو بھی ماہر ہی خوب سمجھتا ہے۔

بابِ اوّل میں مؤلف رحمہ اللہ حروف کے مخارج اور ان کی صفاتِ لازمہ بیان فرما چکے ہیں اور اب دوسرے باب میں صفاتِ عارضہ بیان فرما رہے ہیں، اور گو مؤلف رحمہ اللہ نے صفاتِ عارضہ کا عنوان قائم نہیں فرمایا لیکن جو مسائل اس باب میں بیان فرمائے ہیں یعنی تفخیم و ترقیق، ادغام، اقلاب، اخفاء، غنہ زمانی، صلہ تسہیل، ابدال، حذف اور مد فرعی، ان کو مجوّدین صفاتِ عارضہ ہی سے تعبیر کرتے ہیں صفاتِ لازمہ اور صفاتِ عارضہ میں چند بنیادی فرق ہیں، ان کا یاد رکھنا بھی ضروری ہے:۔

① صفاتِ لازمہ کی غلطی لحنِ جلی میں داخل ہے اور صفاتِ عارضہ کی غلطی لحنِ خفی میں۔

② صفاتِ لازمہ کا پایا جانا کسی سبب پر موقوف نہیں ہوتا بخلاف صفاتِ عارضہ کے، کہ ان کا پایا جانا کسی نہ کسی سبب پر موقوف ہوتا ہے۔

③ صفاتِ لازمہ سب حرفوں میں پائی جاتی ہیں اور ہر حالت میں پائی جاتی ہیں۔ کوئی حرف اور حرف کی کوئی حالت ان سے خالی نہیں ہوتی، بخلاف صفاتِ عارضہ کے، کہ وہ بعض حرفوں میں ہوتی ہیں اور بعض میں نہیں ہوتیں۔ پھر ان بعض میں بھی بعض حالات میں ہوتی ہیں اور بعض میں نہیں۔ باقی رہی صفاتِ عارضہ کی تعریف، ان کے نام، ان کی قسمیں، ان کے سبب، وہ کن حرفوں میں پائی جاتی ہیں، ان کے سبب پر موقوف ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ سب چیزیں چونکہ معلم التجوید کے دوسرے باب کے شروع میں بیان ہو چکی ہیں، اس لیے یہاں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

پہلی فصل: تفخیم اور ترقیق کے بیان میں[۱]

حروفِ مستعلیہ ہمیشہ[۲] ہر حال[۳] میں پُر پڑھے جائیں گے اور حروفِ مستفلہ سب باریک پڑھے جاتے ہیں مگر الف اور اللہ کا لام اور[۴] راء کہیں باریک[۵] اور کہیں پُر ہوتے ہیں۔ الف

حواشی فصلِ اوّل

[۱] تفخیم و ترقیق کا مطلب اور ان کی حقیقت اور یہ کہ تفخیم کی دو قسمیں ہیں (مستقل اور غیر مستقل)، پھر یہ کہ تفخیم مستقل کن حرفوں میں ہوتی ہے اور تفخیم غیر مستقل کن حرفوں میں، یہ سب چیزیں بھی معلم التجوید میں بیان ہو چکی ہیں۔ ۱۲

[۲] لفظ "ہمیشہ" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان حرفوں کی تفخیم مستقل ہے، شِبہ مستعلیہ کی طرح غیر مستقل نہیں۔ (دیکھو معلم التجوید) ۱۲

[۳] یعنی خواہ ساکن ہوں خواہ متحرک اور پھر خواہ مفتوح و مضموم ہوں یا مکسور۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اختلافِ حرکات سے اور بحالتِ سکون حرفِ ماقبل کی حرکت کے مختلف ہونے سے تفخیم میں کمی بیشی ہو جائے، لیکن حروفِ مستعلیہ نفسِ تفخیم سے کبھی خالی نہیں ہوتے اور تفخیم کے ان مراتب کی تفصیل آگے متن میں آ رہی ہے۔ ۱۲

[۴] اس موقع پر الف، لام اور راء کیساتھ واؤ کا ذکر نہ کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کے نزدیک "واوِ مدّہ" تفخیم و ترقیق میں الف کی طرح حرفِ ماقبل کے تابع نہیں، بلکہ یہ ہر حال میں باریک ہی پڑھی جاتی ہے اور غالباً یہی صحیح بھی ہے۔ چنانچہ علّامہ مرعشی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں پہلے اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا کہ حق یہ ہے کہ واوِ مدّہ کو پُر حرف کے بعد پُر پڑھا جائے، لیکن ساتھ ہی اسکا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ کتبِ تجوید میں اسکا کوئی ذکر صراحتاً یا اشارتاً باوجود تلاش کے نہیں ملا (نہایۃ القول المفید، ص: ۹۴)۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ واوِ مدّہ کی تفخیم فن کی کتابوں میں مُصرّح نہیں صرف بعض حضرات نے الف پر قیاس کرتے ہوئے اس کی تفخیم کی جانب اپنے میلان کا ذکر فرمایا ہے اور یوں بھی غور کرنے سے واوِ مدّہ کا بہرصورت باریک پڑھنا ہی صحیح معلوم

سے پہلے پُر حرف ہوگا تو الف بھی پُر ہوگا اور اس سے پہلے کا حرف باریک ہوگا تو الف بھی باریک ہوگا اور اللہ کے لام سے پہلے زبر یا پیش ہو تو پُر ہوگا مثل وَاللّٰہُ، اَللّٰہُ، رَفَعَهُ اللّٰہُ اور اگر اس سے پہلے زیر ہو تو باریک ہوگا مثل لِلّٰهِ۔ راء متحرک ہوگی یا

ہوتا ہے اسلئے کہ واوِ مدّہ فرع ہے ضمہ کی اور ضمہ پُر حرفوں کا بھی باریک ہی ادا ہوتا ہے، پس جب اصل باریک ہے تو فرع کو بھی باریک ہی ہونا چاہیے وَاللّٰہُ اَعْلَم۔۱۲

[۵] مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ تینوں حروف ہیں تو مستفلہ لیکن ان کا حکم عام مستفلہ جیسا نہیں کہ ہمیشہ باریک ہی پڑھے جاتے ہوں، بلکہ یہ بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں باریک۔ دیکھو: بابِ اول فصل چہارم، حاشیہ نمبر۵ وہاں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔۱۲

[۶] چونکہ الف اپنی ذات اور اپنے تلفظ میں مستقل نہیں یعنی جب تک اس سے پہلے کسی حرف کو نہ ملایا جائے یہ ادا نہیں ہوسکتا اسلئے تفخیم و ترقیق میں بھی اسکو حرفِ ماقبل کے تابع ہی قرار دیا گیا ہے۔۱۲

[۷] لفظ ''اللہ'' کے لام کی تفخیم کا سبب اسم الجلالہ کی تعظیم ہے۔ فتحہ اور ضمہ کی شرط مناسبت کی بناء پر ہے، اسلئے کہ کسرہ میں انخفاض ہوتا ہے اور انخفاض اور تفخیم میں مناسبت نہیں۔۱۲

[۸] قواعد راء کے سلسلے میں اس سے پہلے کی دونوں کتابوں یعنی جمال القرآن اور معلم التجوید میں کافی مفصل بحث موجود ہے۔ اگر طلباء کو ان دونوں کتابوں کا مضمون یاد ہوگا تو فوائد مکیہ میں جہاں تک ہمارا خیال ہے اس بارے میں مزید کسی حاشیہ کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے، کیونکہ ان دونوں کتابوں میں اس کی نسبت زیادہ تفصیل ہے۔ لہٰذا اس میں اگر کسی لفظ یا کسی حکم کے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت محسوس کریں تو مذکورہ کتابوں میں دیکھیں، انشاء اللہ ضرورت پوری ہو جائے گی، مگر پھر بھی جن موقعوں میں کسی وضاحت اور تشریح کی ضرورت سمجھی گئی ہے، وہاں اس ضرورت کو پورا کر دیا گیا ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ذہن میں رہنی چاہیے کہ راء کے قواعد بیان کرنے کے دو انداز ہیں:۔

❊ ایک تو یہ کہ راء کی تفخیم و ترقیق کو اس کی حالتوں کے ضمن میں بیان کیا جائے جیسا کہ

ساکن، اگر متحرک ہے تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہوگی اور کسرہ کی حالت میں باریک مثل رَعْدٌ، رُزِقُوْا، رِزْقًا اور اگر راء ساکن ہے تو اس کا ماقبل متحرک ہوگا یا ساکن، اگر ماقبل متحرک ہے تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہوگی اور کسرہ کی حالت میں باریک ہوگی مثل یُرْزَقُوْنَ، بَرْقٌ، شِرْعَةً مگر جب راء ساکن کے ماقبل کسرہ دوسرے

جمال القرآن میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں پہلے تو رائے متحرکہ کا حکم بیان کیا گیا ہے، پھر اسکے بعد راء ساکن ماقبل متحرک کا اور پھر راء ساکن ماقبل ساکن کا حکم بتایا گیا ہے۔

❋ دوسرا یہ کہ راء کی حالتوں کو تفخیم و ترقیق کے ضمن میں بیان کیا جائے جیساکہ معلم التجوید میں بیان کیا گیا ہے، کہ اس میں پہلے تو تفخیمِ راء کی صورتیں بیان کی گئی ہیں، پھر ترقیقِ راء کی اور پھر جن صورتوں میں خلف ہے ان کو بیان کیا گیا ہے، چونکہ پہلا انداز مختصر ہے اس لیے فوائدِ مکیہ میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے، بلکہ اس میں تو اور بھی زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے جیساکہ متن کی عبارت سے ظاہر ہے۔۱۲

۹ اور جیسے فَلَا تَنْهَرْ، فَانْتَصِرْ، وَانْظُرْ، اٰخَرْ، اَلنُّذُرْ، لِلْبَشَرِ، بِالنُّذُرِ، مُنْتَصِرٌ وغیرہ۔ حاشیہ میں ان مثالوں کا اضافہ اسلئے کیا گیا ہے تاکہ قاعدہ کا عموم خوب واضح ہو جائے، کیونکہ متن کی تینوں مثالوں میں راء کلمہ کا درمیانی حرف ہے اور حاشیہ کی مثالوں میں راء کلمہ کا آخری حرف ہے۔ پھر ان میں سے پہلی تین مثالوں میں تو راء کا سکون لازم ہے اور باقی سب میں عارض۔ پھر ان میں سے اٰخَرُ، اَلنُّذُرُ کی راء تو وقف کی طرح وصل میں بھی پُر ہی پڑھی جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی حرکت بھی تفخیم ہی کی مقتضی ہے اور لِلْبَشَرِ اور بِالنُّذُرِ کی راء وصل میں وقف کے خلاف باریک پڑھی جاتی ہے اسلئے کہ اس کی حرکت ترقیق کی مقتضی ہے اور مُنْتَصِرٌ میں اسکے برعکس ہے کیونکہ اس کی راء بحالتِ وقف باریک اور بحالتِ وصل پُر پڑھی جاتی ہے، پس راء ساکنہ بہرحال تفخیم و ترقیق میں ماقبل کی حرکت کے تابع ہی سمجھی جاتی ہے، عام اس سے کہ یہ کلمہ کے درمیان واقع ہو یا آخر میں، پھر خواہ اسکا سکون لازم ہو یا عارض، نیز یہ کہ اس کی حرکت وقف والے راء کے حکم ہی کی مقتضی ہو یا اسکے برعکس۔۱۲

کلمہ میں ہو مثل رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ یا کسرہ عارضی ہو مثل اَمِ ارْتَابُوْا، اِنِ ارْتَبْتُمْ، یا راء ساکن کے بعد حرف استعلاء کا اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں راء ہے تو یہ راء باریک نہ ہوگی بلکہ پُر ہوگی مثل قِرْطَاسٍ، فِرْقَةٍ اور فِرْقٍ میں خلف ہے اور اگر راء موقوفہ[10] بالاسکان یا بالاشمام[11] کے ماقبل سوائے یاء کے اور کوئی حرف ساکن ہو تو اس کا ماقبل دیکھا جائیگا، اگر مفتوح یا مضموم ہے تو راء پُر ہوگی مثل قَدْرِ ۝، اُمُوْرُ ۝ اور اگر مکسور ہے تو راء باریک ہوگی مثل حِجْرٍ ۝ کے اور اگر ساکن یاء[12] ہو تو باریک ہوگی جیسے خَيْرٌ ۝ ضَيْرَ ۝ خَبِيْرٌ ۝ قَدِيْرٌ ۝ راء مرامہ یعنی موقوفہ بالروم اپنی حرکت کے موافق پڑھی جائے گی اور راء ممالہ باریک ہی پڑھی جائے گی مثل مَجْرٖىهَا۔

[10] یہاں سے مؤلف رحمہ اللہ راء کی تیسری حالت یعنی راء ساکن ماقبل ساکن والی صورت کا حکم بیان فرمارہے ہیں، لیکن اس کو رائے ساکنہ کہنے کے بجائے رائے موقوفہ سے تعبیر کیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورت وقف ہی کیساتھ مختص ہے کیونکہ راء بھی ساکن ہو اور ماقبل بھی ساکن، یہ صورت وصل میں نہیں پائی جاتی اسلئے کہ یہ صورت اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ کی ہے اور وہ وصل میں ناجائز ہے۔ چنانچہ قاعدہ کی جو مثالیں متن میں درج ہیں یعنی اَلْقَدْرِ اور اَلْاُمُوْرُ وغیرہ، اگر ان پر وقف نہ کیا جائے تو اس صورت میں ان کی راء ساکن نہ پڑھی جائیگی بلکہ متحرک ادا ہوگی۔ ۱۲

[11] موقوفہ کیساتھ بالاسکان اور بالاشمام کی قید اسلئے لگائی ہے تاکہ راء مرامہ یعنی موقوفہ بالروم نکل جائے، کیونکہ وہ تفخیم و ترقیق میں ماقبل کی حرکت کے تابع نہیں ہوتی بلکہ اس بارے میں خود اس کی اپنی حرکات کا لحاظ کیا جاتا ہے جیساکہ آگے متن میں بھی ہے۔ (اس کی مزید تفصیل کیلئے معلم التجوید میں قواعد راء کا آخری سوال وجواب دیکھو)۔ ۱۲

[12] یائے ساکنہ کے بعد والی رائے ساکنہ کو ہر حال میں باریک پڑھنے کی وجہ غالباً یاء کو کسرہ کا قائم مقام سمجھ لینا ہے، اس لیے کہ اگر کسرہ میں انخفاض ہوتا ہے تو یاء میں تسفل پایا جاتا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

۱ **فائدہ:** راء مشدد[۱۳] حکم میں ایک راء کے ہوتی ہے جیسی حرکت ہوگی اسی کے موافق پڑھی جائے گی، پہلی دوسری کے تابع[۱۴] ہوگی۔

۲ **فائدہ:** حروفِ مفخمہ میں تفخیم ایسی افراط[۱۵] سے نہ کی جائے کہ وہ حرف مشدد سنائی دے، یا کسرہ مشابہ فتحہ کے، یا فتحہ مشابہ ضمہ کے، یا مفخم حرف کے بعد الف ہے تو وہ واؤ کی

---

[۱۳] مشدّد حرف اگرچہ مرکب تو دو حرفوں سے ہی ہوتا ہے جن میں سے پہلا ساکن ہوتا ہے اور دوسرا متحرک، مگر پھر بھی یہ حکم میں ایک ہی حرف کے اسلیے ہوتا ہے کہ اس کی ادائیگی میں عضو ایک ہی مرتبہ کام کرتا ہے اور ساکن حصہ کے ادا ہونے کے بعد عضو مخرج سے الگ نہیں ہوتا بلکہ متحرک حصہ کے ادا ہونے کے بعد ہی جدا ہوتا ہے، اسلیے اس پر کسی مستقل حرف کا حکم بھی نہیں لگایا جاتا بلکہ اس کو بعد والے حرفِ متحرک ہی کا تابع قرار دیا جاتا ہے۔۱۲

[۱۴] پہلی راء کے دوسری کے تابع ہونے کی وجہ تو سابقہ حاشیہ کے ضمن میں بیان ہو ہی چکی ہے کہ پہلی کے ادا ہونے کے بعد چونکہ زبان تالو سے الگ نہیں ہوتی، اسلیے اس کو مستقل حرف کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ یہ دوسری راء یعنی رائے متحرک کے تابع ہی سمجھی جاتی ہے، لیکن یہ حکم وصل اور وقف بالروم کا ہے اور وقف بالاسکان اور بالاشمام میں چونکہ دوسری بھی ساکن ہو جاتی ہے اس لیے اس صورت میں دونوں ایک ہی حرف کے حکم میں ہو کر حرفِ ماقبل کی حرکت کے تابع سمجھی جاتی ہیں، پس اَلضُّرِّ میں وقفاً ضاد کے ضمہ کی وجہ سے دونوں مفخم اور اَلْبِرُّ میں وقفاً باء کے کسرہ کی وجہ سے دونوں مرقق پڑھی جائیں گی۔۱۲

[۱۵] یعنی زیادتی اور مبالغہ۔ جس کی صورتیں متن میں بیان کر دی گئی ہیں اور اس افراط سے تلفظ اور ادا میں جن غلطیوں کے پیدا ہو جانے کا ذکر مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، چونکہ ان کا پوری طرح احساس سننے سے ہی ہو سکتا ہے، اس لیے اساتذہ کیلئے اگر ممکن ہو تو طلباء کے اندر غلط اور صحیح کی تمیز پیدا کرنے کی غرض سے دونوں قسم کا تلفظ کر کے بتا دیں۔ گو ان کو ایسا کرنے میں تکلّف تو یقیناً محسوس ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ اس کو معیوب بھی سمجھیں، لیکن اس سے طلباء کو ان شاء اللہ فائدہ ضرور پہنچے گا اور

طرح ہو جائے۔

تفخیم میں مراتب ہیں[16]:- حرفِ مفخم مفتوح جسکے بعد الف ہو تو اس کی تفخیم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے مثل طَآلَ، اسکے بعد مفتوح جو الف کے قبل نہ ہو مثل اِنْطَلِقُوْا، اسکے بعد مضموم مثل مُحِيْطٌ، اسکے بعد مکسور مثل ظِلٍّ، قِرْطَاسٍ اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے تابع[17] ہے مثل يَقْطَعُوْنَ، يُرْزَقُوْنَ، مِرْصَادًا۔ اب معلوم ہوا کہ حرفِ مفخم کے فتحہ کو مانند ضمہ کے اور اس کے بعد کے الف کو مانند واؤ کے پڑھنا بالکل خلافِ[18] اصل ہے۔ ایسے ہی

گو افراط فی التفخیم کی وجہ سے حرفِ مفخم کا مشدّد ہو جانا بعید ہے مگر ممکن ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے کسی سے اس طرح کا تلفظ سنا ہو، اسلئے اس پر یہاں تنبیہ فرما دی ہو۔ ۱۲

[16] اختلافِ حرکت کی وجہ سے حرفِ مفخم کی تفخیم میں جو مراتب متفاوت ہوتے ہیں، اس کی وجہ صلاحیتِ حرکت ہے۔ پس فتحہ کی حالت میں چونکہ انفتاحِ فم ہوتا ہے جس کی وجہ سے حرفِ مفتوح کی صورت میں ایک خاص قسم کی وسعت ہوتی ہے اسی لیے اس کی تفخیم بھی بہ نسبت مضموم و مکسور کے زیادہ ہوتی ہے، ضمہ چونکہ انضمامِ شفتین سے ادا ہوتا ہے اسلئے اس میں یہ وسعت کچھ کم ہوتی ہے اور اسی لیے اس کی تفخیم بھی بہ نسبت مفتوح کے کم ہوتی ہے اور کسرہ میں چونکہ انخفاض ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی آواز دبی ہوئی نکلتی ہے اسلئے مکسور کی تفخیم بھی سب سے کم ہوتی ہے۔ ایسے ہی اُس مفتوح کی ادائیگی میں جس کے بعد الف ہو چونکہ زبان کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے اسلئے اس کی تفخیم بھی اُس مفتوح کی نسبت زیادہ ہوتی ہے جس کے بعد الف نہ ہو۔ ۱۲

[17] اسلئے کہ ساکن ادا ہونے میں بھی ماقبل کے تابع ہی ہے کیونکہ حرفِ متحرک کو ساتھ ملائے بغیر محض ساکن کا تلفظ نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس کی تفخیم کے مراتب کے بارے میں بھی ماقبل کی حرکت ہی کا اعتبار کیا گیا۔ ۱۲

[18] یوں تو افراط کی متعدد صورتیں اوپر مؤلف رحمہ اللہ بیان کر چکے ہیں مگر یہ صورت یعنی حرفِ مفخم کے فتحہ کو مانند ضمہ کے اور اسکے بعد والے الف کو مانند واؤ کے پڑھنا چونکہ عام اور کثیر الوقوع ہے،

حرفِ مرقق کے فتحہ کو اس قدر مرقق کرنا کہ مانند امالہ صغریٰ[۱۹] کے ہو جاوے، یہ خلاف قاعدہ ہے۔ یہ افراط وتفریط[۲۰] کلام عرب میں نہیں ہے، یہ اہلِ عجم کا طریقہ ہے۔

چنانچہ اَلصِّرَاطَ کی راء اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے ضاد میں بعض حضرات سے اس قسم کی تفخیم سننے میں آتی ہے، اسلئے پھر ایک بار خصوصیت کے ساتھ اس کی تغلیط فرمائی۔ ۱۲

[۱۹] امالہ کی تعریف تو معلم التجوید وغیرہ میں گزر ہی چکی ہے کہ فتحہ کو طرف کسرہ کے اور الف کو طرف یاء کے مائل کرنے اور جھکانے کا نام امالہ ہے، اب یہاں اتنی بات اور سمجھ لیں کہ امالہ دو طرح کا ہوتا ہے:۔

① کبریٰ

② صغریٰ

❋ اگر یہ میلان ایسا ہو کہ کسرہ اور یاء کا جز فتحہ اور الف سے بڑھ جائے تو یہ امالہ کبریٰ ہے اور مَجْرٖىهَا میں یہی کیفیت مطلوب ہے۔

❋ اگر فتحہ اور الف کا جز زیادہ ہو، اور کسرہ اور یاء کا کم تو یہ امالہ صغریٰ ہے۔

جس طرح امالہ کبریٰ کو اردو میں خویش، درویش، بڑے، میرے جیسی مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے، اسی طرح امالہ صغریٰ کے تلفظ کو "اے، بیت اور بیچ" کی مثالوں سے سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ بعض دوسری روایتوں میں امالہ کبریٰ کی طرح امالہ صغریٰ بھی بکثرت ہے لیکن اس روایت میں یہ تلفظ قطعاً نہیں۔ ۱۲

[۲۰] یعنی کمی بیشی۔ پس حروفِ مفخمہ کی تفخیم میں مبالغہ کرنا جس کی صورتیں اوپر متن میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہ تو افراط ہے اور حرفِ مرقق کو اتنا باریک پڑھنا کہ اس کا فتحہ مائل بکسرہ اور اس کے بعد والا الف مائل بہ یاء ہو جائے، یہ تفریط ہے اور باقی جو مشورہ اوپر افراط کے ذیل میں دیا جا چکا ہے تفریط کے بارے میں بھی وہی سمجھنا چاہیے۔ ۱۲

دوسری فصل: نون ساکن اور تنوین کے بیان میں

نون ساکن اور تنوین کے چار حال[1] ہیں :۔ اظہار، ادغام، قلب، اخفاء۔ حرفِ حلقی نون ساکن اور تنوین کے بعد آوے تو اظہار ہوگا مثل یَنْعِقُ، عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور جب نون ساکن اور تنوین کے بعد یَرْمَلُوْنَ کے حروف میں سے کوئی حرف آئے تو ادغام ہوگا مگر لام، راء میں ادغام بلاغنہ ہوگا اور ادغام بالغنہ بھی نون ساکن اور تنوین میں ثابت[2]

حواشی فصل دوم

[۱] یعنی احکام۔ ان چار احکام کی کافی ووافی تفصیل جس کے ضمن میں نون ساکن وتنوین کا باہم فرق، اس فرق کے باوجود دونوں کے احکام یکساں ہونے کی وجہ، ان احکام کے لغوی اور اصطلاحی معنٰی، ان حالتوں میں نون ساکن وتنوین کے ادا کرنے کا طریقہ، الف کے ان چاروں احکام میں سے کسی کے ساتھ بھی متعلق نہ ہونے کی وجہ، یہ احکام نون ساکن وتنوین میں کس حالت میں پائے جاتے ہیں، آیا وقف ووصل دونوں حالتوں میں یا صرف ایک ہی حالت میں، ان چار احکام کی مثالیں کم از کم کتنی ہونی چاہئیں اور تعدادِ امثلہ کی وجہ، یہ سب چیزیں اس سے پہلے کی کتاب یعنی معلم التجوید میں بفضلہٖ تعالیٰ بیان ہو چکی ہیں، اگر یاد نہ رہی ہوں تو وہیں دیکھ لیں۔ البتہ قابلِ حل موقعوں کی اس حاشیہ میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے، ہاں ایک مسئلہ اس کتاب میں نیا ہے جو پہلی کتابوں میں نہیں گزرا، اور وہ یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کا لام اور راء میں ادغامِ تام کے علاوہ ادغام بالغنہ بھی جائز ہے جس کی وضاحت آئندہ حاشیہ میں آرہی ہے۔ ۱۲

[۲] مطلب یہ ہے کہ مشہور اور عام قاعدہ تو یہی ہے کہ نون ساکن وتنوین کا حروفِ یَرْمَلُوْن میں ادغام دو طرح کا ہوتا ہے :۔ یَنْمُوْ کے چار حرفوں میں بالغنہ اور لَرْ کے دو حرفوں میں بلاغنہ۔ اب نئی بات اس سلسلہ میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حروفِ یَنْمُوْ کی طرح لَرْ کے دو حرفوں میں بھی ادغام بالغنہ ثابت ہے، لیکن یہ ادغام بطریق طیبہ ہے (اور شاطبیہ کے طریق سے

ہے مگر نون ساکن میں یہ شرط ہے کہ مقطوع[۳] یعنی مرسوم ہو اور اگر موصول ہے یعنی مرسوم نہیں

لام وراء میں بلا غنہ ہی ضروری ہے)، البتہ اس ادغام کی ایک شرط ہے جس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔۱۲

[۳] مقطوع اور مرسوم دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی لکھا ہوا جس کی شکل یہ ہے: اَنْ لَّا اور اس کے مقابلہ میں موصول اور غیر مرسوم ہے جسکا مفہوم ہے نہ لکھا ہوا اور اس کی شکل یہ ہے: اَلَّا۔

مرسوم کے تو معنیٰ ہی لکھے ہوئے کے ہیں اور مقطوع کا یہ مفہوم اس لیے ہے کہ مقطوع کے معنیٰ ہیں قطع کیا ہوا اور جدا کیا ہوا، پس اس نون کو مرسوم تو اسلئے کہتے ہیں کہ یہ لکھا ہوا ہے اور اس کی صورت موجود ہے اور مقطوع اسلئے کہتے ہیں کہ یہ لَا سے جدا اور الگ ہے۔

دوسری شکل میں اس نون کو غیر مرسوم تو اسلئے کہتے ہیں کہ یہ لکھا ہوا نہیں ہے اور موصول اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ لَا کیساتھ ہی ملا ہوا ہے اور پہلی شکل کی طرح اس کی کوئی صورت نہیں صرف تشدید ہی کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل کی رو سے بھی یہ اَنْ لَّا ہی ہے۔ نصاب کی چوتھی کتاب جزری میں انشاء اللہ یہ چیز تفصیل کیساتھ آجائے گی کہ نون مقطوع کہاں ہے اور غیر مقطوع کہاں، یہاں تو ذہن میں صرف اتنی بات رکھیں کہ ادغام بالغنّہ اسی موقعہ میں جائز ہے جہاں نون مقطوع یعنی لکھا ہوا ہو اور جہاں غیر مرسوم یعنی لکھا ہوا نہ ہو وہاں جائز نہیں۔ اور مرسوم ہونے کی یہ شرط فقط نون ساکن کیساتھ اسلئے لگائی گئی ہے کہ تنوین ہمیشہ غیر مرسوم ہی ہوتا ہے۔

مقطوع و موصول دونوں قسم کے نون کی مثال سورۂ ہود کی آیت: ۲ اور آیت: ۲۶ میں لفظ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا میں دیکھی جاسکتی ہے کہ آیت: ۲ میں تو نون غیر مرسوم ہے اور آیت: ۲۶ میں مرسوم، پس شروعِ سورۃ والے اَلَّا تَعْبُدُوْٓا میں تو ادغام بالغنّہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہاں نون لکھا ہوا نہیں اور آیت: ۲۶ والے میں جائز ہوگا کیونکہ وہاں لکھا ہوا ہے۔

رہا یہ سوال کہ ادغام بالغنّہ کے جواز کیلئے نون کے مرسوم ہونے کی شرط کیوں لگائی گئی ہے؟ سو اسکا جواب یہ ہے کہ غنہ صفت ہے اور صفت کا تحقق بغیر ذات کے نہیں ہوتا، پس جن موقعوں میں ذاتِ نون موجود ہے یعنی نون مرسوم ہے، وہاں تو اس صفت کے اظہار کو جائز رکھا گیا اور

ہے تو غنہ جائز نہیں، باقی حروف[۴] میں بالغنہ ہوگا مثل مَنْ یَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، مِنْ رَّبِّهِمْ۔ چار لفظ یعنی دُنْيَا، قِنْوَانٌ، بُنْيَانٌ، صِنْوَانٌ ان میں ادغام[۵] نہ ہوگا اظہار ہوگا اور جب نون ساکن اور تنوین کے بعد باء آوے تو نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدلکر اخفاء مع[۶] الغنہ کریں گے مثل مِنْۢ بَعْدِ، صُمٌّۢ بُكْمٌ باقی پندرہ[۷] حرفوں میں اخفاء[۸] مع الغنہ ہوگا مثل يُنْفِقُوْنَ، اَنْدَادًا وغیرہ کے۔

جہاں نون کی ذات موجود نہیں وہاں جائز نہیں رکھا گیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۴] یعنی يَنْمُوْ کے چار حرفوں میں، کیونکہ حروفِ يَرْمَلُوْنَ میں سے لَرْ کے دو حرفوں کو نکال لینے کے بعد باقی یہی چار بچتے ہیں۔۱۲

[۵] ان چار لفظوں میں ادغام نہ ہونے کی ظاہری وجہ تو وہی ہے جو مشہور ہے یعنی یہ کہ ان لفظوں میں نون ساکن اور اسکے بعد والا حرف دونوں ایک ہی کلمہ میں ہیں اور ادغام کیلئے مدغم اور مدغم فیہ کا دو کلموں میں ہونا شرط ہے اور اصل وجہ ان کلموں میں عدمِ ادغام کی وہ ہے جو علامہ شاطبیؒ نے بیان فرمائی ہے یعنی ادغام کرنے سے یہ کلمے مشابہ بالمضاعف ہو جاتے ہیں، کیونکہ ادغام میں "نون" واؤ اور یاء سے بدل جاتا ہے جس سے ان کا عین اور لام ایک ہی جنس کا ہو جاتا ہے فَافْهَمْ وَتَاَمَّلْ۔۱۲

[۶] اس بدلنے کو مجوّدین کی اصطلاح میں قلب یا اقلاب کہتے ہیں اور چونکہ مِنْۢ بَعْدِ اور صُمٌّۢ بُكْمٌ جیسی مثالوں میں نون کے میم سے بدل جانے کے بعد اس کا تلفظ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ کی طرح ہو جاتا ہے اور اس میں اخفاء ہوتا ہے، اسلئے اس میں بھی اخفاء ہی کیا جاتا ہے اور اسلئے فرمایا: [نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر اخفاء مع الغنہ کریں گے]۔۱۲

[۷] یعنی باقی پندرہ حرفوں میں سے کسی ایک کے نون ساکن وتنوین کے بعد آنے کی صورت میں۔ کیونکہ اخفاء ان پندرہ حرفوں میں نہیں ہوتا بلکہ نون میں ہوتا ہے، لیکن ہوتا ان ہی پندرہ حرفوں کی وجہ سے ہے۔ فَافْهَمْ وَتَاَمَّلْ۔۱۲

[۸] نون ساکن وتنوین کے احکام اربعہ میں سے اظہار، ادغام، اقلاب کا مطلب تو بالکل واضح

تیسری فصل: میم ساکن کے بیان میں

میم ساکن کے تین حال ہیں: ادغام، اخفاء، اظہار۔ میم ساکن کے بعد دوسری میم آوے تو ادغام ہوگا مثل اَمْ مَّنْ اور اگر میم ساکن کے بعد باء آوے تو اخفاء ہوگا اور اظہار

ہے، البتہ اخفاء کے بارے میں علمائے فن کے مابین کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اظہار وادغام کی درمیانی کیفیت ہے۔ کَمَا یُقَالُ: اَلْاِخْفَاءُ هِیَ کَیْفِیَّةٌ بَیْنَ الْاِظْهَارِ وَالْاِدْغَامِ۔ بس اس بینیت ہی کی وجہ سے اس کے ادا کے بارے میں دو رائے ہوگئی ہیں:۔

* بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ نون کے اخفاء میں زبان کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور سرا زبان "تالو" سے بالکل علیحدہ رہتا ہے۔
* بعض یہ فرماتے ہیں کہ سرا زبان کو تالو سے معمولی سا لگاؤ ضرور ہوتا ہے اور زبان بالکل بے تعلق نہیں رہتی۔

مگر دونوں مسلکوں میں اختلاف بہت معمولی سا ہے، کیونکہ اس بات پر تو سب ہی کا اتفاق ہے کہ سرا زبان تالو کے ساتھ نہیں لگتا، البتہ اسکے تالو سے بالکل علیحدہ رہنے اور اس سے قریب ہو جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت مؤلف رحمہ اللہ مؤخر الذکر مسلک پر ہیں اور آپ نے ایک مفصل حاشیہ میں دخلِ لسان کے دلائل بھی بیان فرمائے ہیں جس کو ہم نے کتاب کے آخر میں اَلتَّکْمِلَة کے زیرِ عنوان (صفحہ: ۱۸۲ پر) من وعن درج کر دیا ہے۔۱۲

حواشی فصل سوم

[۱] میم ساکن کے احکام سے متعلق بھی چونکہ معلم التجوید میں کافی تفصیل موجود ہے اسلئے اس عنوان کے ذیل میں بھی امید ہے کہ ناظرین کسی خاص حاشیہ کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے، تاہم جن موقعوں میں کسی وضاحت کی ضرورت محسوس کی گئی ہے تو حاشیہ میں پوری کر دی گئی ہے۔

بھی جائز ہے بشرطیکہ میم منقلب[۲] نون ساکن اور تنوین سے نہ ہو مثل وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ باقی حروف میں اظہار ہوگا مثل عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ، كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ۔

فائدہ: بوف کا قاعدہ جو مشہور ہے یعنی میم ساکن کے بعد باء آوے تو اخفاء ہوگا اور واؤ، فاء آوے تو اظہار اسطرح کیا جاوے کہ میم کے سکون میں حرکت کی بو آجائے، یہ اظہار[۳] بالکل بے اصل ہے، بلکہ میم کا سکون بالکل تام ہونا چاہیے کہ حرکت کی ہوا بھی نہ لگے۔

[۲] یعنی بدلا ہوا۔ اور مطلب یہ ہے کہ باء سے پہلے میم ساکن میں اظہار بھی جائز ہے، لیکن اسی میم میں جو اصلی ہو، اور جو میم نون ساکن وتنوین سے بدلکر آئی ہو جیسا کہ مِنْۢ بَعْدِ اور سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ وغیرہ میں ہے تو ایسے میم میں اظہار جائز نہیں، اس میں اخفاء ہی ضروری ہے۔

[۳] واؤ اور فاء سے پہلے میم ساکن میں اس طرح کا اظہار کہ میم کے سکون میں حرکت کی بو (اثر) آجائے۔ اسکے رائج ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بعض لوگوں نے اس خیال سے کہ باء کی طرح واؤ اور فاء بھی میم کے ساتھ شفوی ہونے میں شریک ہیں اور جب میم ساکن باء سے پہلے واقع ہو تو اس میں اخفاء کیا جاتا ہے، اس پر قیاس کر کے انہوں نے واؤ اور فاء سے قبل بھی میم ساکن میں اخفاء کرنا شروع کر دیا، جس سے علمائے تجوید نے منع فرمایا۔ چنانچہ جزری اور تحفۃ الاطفال وغیرہ میں اس ممانعت کا ذکر صراحت کیساتھ موجود ہے جس کا ردعمل یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے اس اخفاء سے بچنے کے خیال سے واؤ اور فاء سے پہلے میم ساکن کو مثل قلقلہ کے حرکت دے کر پڑھنا اختیار کیا۔ اسلیئے علماء فن نے اس طرح کے اظہار سے روکنا بھی ضروری سمجھا اور اسی لیے مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ اظہار بالکل بے اصل ہے۔ پس واؤ اور فاء سے پہلے میم ساکن میں نہ تو اخفاء ہی درست ہے اور نہ اس طرح کا اظہار ہی صحیح ہے کہ میم کے سکون میں حرکت کا کچھ اثر آجائے۔

چوتھی فصل[1]: حروفِ غنہ کے بیان میں

نون میم مشدد[2] ہوں تو غنہ ہوگا، ایسے ہی نون ساکن اور تنوین کے آگے سوائے حروفِ حلقی اور لام،[3] راء کے جو حرف آئے گا غنہ ہوگا۔ ایسے ہی میم ساکن کے بعد با[4] آوے تو

حواشی فصل چہارم

[1] اس سے پہلے دوسری اور تیسری فصل میں مؤلف رحمہ اللہ ادغامِ ناقص، اقلاب اور اخفاء کے مواقع بیان فرما چکے ہیں، اور ان حالتوں میں چونکہ غنہ بھی ہوتا ہے اسلئے اب اس فصل میں ان احکام سے قطع نظر صرف غنہ ہی کے موقعوں کو بیان فرما رہے ہیں اور اس غنہ سے مراد "غنہ زمانی" ہے جس کی مقدار ایک الف کے برابر ہوتی ہے اور اسکے تین مواقع ہیں جو متن میں مذکور ہیں۔ پس عنوان میں حروفِ غنہ سے مراد نون اور میم کے وہ مواقع اور حالتیں ہیں جن میں ارادہ اور اہتمام کیساتھ ایک الف کے برابر غنہ کیا جاتا ہے۔ یوں تو یہ دونوں حرف نفسِ غنہ سے کبھی خالی نہیں ہوتے لیکن جن حالتوں میں ان میں ایک الفی غنہ ہوتا ہے ان حالتوں میں ان کو خصوصیت کیساتھ حرفِ غنہ کہا جاتا ہے اور اس فصل میں نون و میم کی ان ہی حالتوں کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ۱۲

[2] یہ حکم عام ہے۔ خواہ یہ وضعاً یعنی شروع ہی سے مشدّد ہوں جیسے اِنَّ، كَاَنَّ اور لَمَّا وغیرہ اور خواہ ادغام کی وجہ سے ان پر تشدید آئی ہو جیسے اِنْ نَّشَاْ اور وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وغیرہ کیونکہ ادغام کو تشدید لازم ہے مگر اسکے برعکس ضروری نہیں، یعنی یہ کہ ہر تشدید کو ادغام لازم ہو۔ ۱۲

[3] لیکن اگر اس طریق کے موافق پڑھا جائے جس کی رو سے لام و راء میں ادغام بالغنّہ بھی جائز ہے تو پھر یہ دونوں حروفِ حلقی کے بجائے حروفِ اخفاء، حروف يَنْمُوْ اور باء کے ساتھ شامل ہو جائیں گے، البتہ حروفِ حلقی سے قبل نون میں غنہ زمانی قطعاً نہ ہوگا، ہاں غنہ آنی اس حالت میں بھی ہوگا۔ (دیکھو ایضاح البیان، لمعہ نمبر ۹ حاشیہ نمبر ۹)

[4] اگرچہ میم ساکن کے بعد میم کے آنے کی صورت میں بھی غنہ ہوتا ہے، مگر چونکہ اس کا حکم میم مشدّد کے حکم کے ضمن میں معلوم ہو چکا تھا، اس لیے مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں بیان نہیں کیا،

اخفاء کی حالت[5] میں غنہ ہوگا۔ غنہ کی مقدار ایک الف[6] ہے۔

پانچویں فصل: ھائے ضمیر[1] کے بیان میں

ہائے ضمیر کے ماقبل کسرہ یا یائے ساکنہ ہو تو ھائے ضمیر مکسور ہوگی مثل بِهٖ، وَاِلَيْهِ

کیونکہ میم ساکن جب دوسرے میم سے ملتا ہے تو دونوں مثل ایک مشدّد میم کے ہو جاتے ہیں، پس ادغام کے بعد اَمْ مَّنْ اور لَمَّا میں باعتبارِ تلفظ کے کوئی فرق نہیں رہتا۔ (دیکھو ایضاح البیان لمعہ نمبر۹ حاشیہ نمبر۵)

[5] مطلب یہ ہے کہ میم ساکن کے بعد باء آئے تو اس میم میں غنہ اس وقت ہوگا جب اخفاء کیا جائے گا، اور اگر اظہار کیا جائے گا تو اس صورت میں غنہ نہیں ہوگا اور یہ معلوم ہو ہی چکا ہے کہ میم ساکن کے بعد باء ہو تو اس میں اگرچہ اولیٰ اور مختار تو اخفاء ہی ہے لیکن جائز اظہار بھی ہے، پس اخفاء کی حالت میں تو غنہ ہوگا اور اظہار کی صورت میں نہیں ہوگا وَاللّٰهُ اَعْلَم۔ ۱۲

[6] مقدارِ الف کے بارے میں ضروری بحث جس کے ضمن میں اسکے معلوم کرنے کا طریقہ اور یہ کہ اس بارے میں صحیح فیصلہ کیا ہے، یہ چیز غنہ کی بحث کے ضمن میں معلم التجوید میں دیکھئے۔

حواشی فصل پنجم

[1] ھائے ضمیر کی پوری بحث، جس کے ضمن میں اسکا تعارف، اس کی حرکت اور صلہ وعدم صلہ سے متعلق قواعد، ان قواعد سے جو جو الفاظ مستثنیٰ ہیں ان کا ذکر، صلہ کی تعریف، یہ کہ صلہ صرف وصل ہی میں ہوتا ہے وقف میں نہیں ہوتا، یہ سب چیزیں معلم التجوید میں بیان ہو چکی ہیں، بلکہ مزید برآں یہ کہ وہاں ھائے سکتہ کا حکم، اسکے مواقع اور اسکے علاوہ ان کلمات کا ذکر بھی آچکا ہے جن کی ھاء میں بعض لوگوں کو ضمیر کی ھاء ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے اور واقع میں ان کی ھاء ضمیر کی ھاء نہیں بلکہ نفسِ کلمہ کی ھاء ہے، اسلئے اس فصل میں نفسِ مسئلہ سے متعلق تو کسی حاشیہ کی ضرورت نہیں، البتہ ان حواشی میں مستثنیات کی وجہ استثناء بیان کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ چیز وہاں بیان نہیں ہوئی۔

کے، مگر دو جگہ مضموم ہوگی: ایک وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ سورہ کہف میں، دوسرے عَلَیْهُ اللّٰهَ سورہ فتح میں،[۲] اور دو لفظوں میں ساکن ہوگی:۔ ایک تو اَرْجِهْ اور دوسرا فَاَلْقِهْ[۳] اور جب ضمیر کے ماقبل نہ کسرہ ہو نہ یاء ساکنہ تو مضموم ہوگی مثل لَهٗ، رَسُوْلُهٗ، مِنْهُ، اَخَاهُ، رَاَيْتُمُوْهُ، مگر وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ[۴] میں مکسور ہوگی اور جب ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد متحرک ہو تو ضمیر کی حرکت اشباع[۵] کیساتھ پڑھی جاوے گی۔ یعنی اگر ضمیر

[۲] عَلَیْهُ اللّٰهَ اور وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ کی ہاء میں ہائے ضمیر کے عام قاعدہ کے خلاف ضمہ کی وجہ اصل کی موافقت ہے کیونکہ اصل حرکت ہائے ضمیر کی ضمہ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حالتوں میں اس پر ضمہ ہی آتا ہے۔ اور دو حالتوں میں جو کسرہ آتا ہے تو وہ ماقبل کی مناسبت کی بناء پر آتا ہے، پس ان دو کلموں میں باوجود اس مناسبت کے اصل کی موافقت کی بناء پر ضمہ ہی پڑھا گیا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۳] اَرْجِهْ اور فَاَلْقِهْ دونوں معتل اللام ہیں۔ پس اصل ان کی اَرْجِیْهِ اور اَلْقِیْهِ تھی، پھر ان کے آخر سے صیغہ امر ہونے کی بناء پر معتل کے عام قاعدہ کی رو سے یاء ساکنہ حذف ہوگئی اور ہائے ضمیر کو اسکا قائم مقام کر دیا گیا، اسلئے اس کو بھی ساکن ہی پڑھا گیا۔ خلاصہ یہ کہ ان میں ہائے ضمیر کا سکون "یائے ساکنہ محذوفہ" کی نیابت کی وجہ سے ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۴] اگرچہ روایتِ حفصؒ کی رو سے اسمیں قاف کا سکون ہے مگر اصل کی رو سے چونکہ یہ وَيَتَّقِيْهِ تھا، پھر محلِ شرط میں واقع ہونے کی وجہ سے اسکے آخر سے یاء حذف ہوگئی اور پھر تخفیفاً قاف کو ساکن کر دیا، اس وجہ سے مطابق اصل کے ہائے ضمیر کو مکسور ہی پڑھا گیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۵] حرکت کو اتنا دراز کرنا کہ اس سے حرفِ مد پیدا ہو جائے، اس کو اشباع کہتے ہیں۔ اور اگر یہی درازی ہائے ضمیر کی حرکت میں ہو تو اسکا نام صلہ ہے، پس اشباع تو عام ہے جو ہر حرکت کی درازی کو شامل ہے اور "صلہ" خاص ہے جسکا اطلاق صرف ہائے ضمیر کی حرکت کے اشباع پر ہی ہوتا ہے، پھر اگر ہائے موصولہ کے بعد ہمزہ بھی ہو جیسے بِهٖٓ اِنَّهٗ اور فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ وغیرہ تو مد کے عام

پر ضمہ ہو تو اسکے مابعد واوٗ ساکن زائد ہوگا، اگر ضمیر پر کسرہ ہے تو اسکے مابعد یائے ساکنہ زائد ہوگی مثل مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ، وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ مگر ایک جگہ اشباع نہ ہوگا یعنی وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ[۷] اس کا ضمہ غیر موصولہ پڑھا جائیگا اور اگر ماقبل یا مابعد ساکن ہو تو اشباع نہ ہوگا مثل مِنۡهُ، وَيُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ مگر فِيۡهٖ مُهَانًا[۸] جو سورۂ فرقان میں ہے، اس میں اشباع ہوگا۔

قاعدہ کی رو سے اس میں مدِ منفصل بھی ہوگا، کیونکہ مد کیلئے حرفِ مد کا مرسوم ہونا ضروری نہیں، ملفوظ ہونا ہی کافی ہے۔۱۲

[۶] صلہ کے واوٗ اور یاء کو زائد فرمانا اس بناء پر ہے کہ یہ لکھنے میں نہیں آتے محض ھاء کے ضمہ اور کسرہ کے کھینچنے ہی سے پیدا ہوجاتے ہیں۔۱۲

[۷] يَرۡضَهُ لَكُمۡ میں عدمِ صلہ اصل کے لحاظ سے ہے، کیونکہ اس کی اصل يَرۡضَاهُ لَكُمۡ تھی، پھر محل جزاء میں واقع ہونے کی وجہ سے آخر سے الف حذف ہوگیا۔۱۲

[۸] جس طرح ایک لغت یہ ہے کہ ھائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد دونوں طرف حرفِ متحرک ہو تو صلہ ہوتا ہے، اسی طرح ایک لغت یہ بھی ہے کہ ماقبل ساکن ہو تب بھی صلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قراء سبعہ میں سے ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کی قراءۃ اسی لغت کے موافق ہے، پس حفص رحمہ اللہ نے اس کلمہ میں جَمۡعًا بَيۡنَ اللُّغَتَيۡنِ یعنی اپنی روایت میں دونوں لغتوں کے جمع کرنے کی غرض سے صلہ کیا ہے۔ اس کی مثالیں ان کی روایت میں اور بھی بہت سی ہیں، چنانچہ ءَاَعۡجَمِيٌّ کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل اور مَجۡرٖىهَا میں امالہ بھی اسی قبیل سے ہے وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ۔

چھٹی فصل: ادغام[1] کے بیان میں

ادغام تین قسم[2] پر ہے: مثلین، متقاربین، متجانسین۔ اگر حرفِ مکرر[3] میں ادغام ہوا ہے تو ادغام مثلین کہلائے گا مثل اِذْ ذَّھَبَ۔ اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جن کا مخرج ایک گنا[4] جاتا ہے تو اس ادغام کو ادغامِ متجانسین کہتے ہیں مثل وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ۔ اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے کہ وہ دو حرف نہ مثلین ہیں نہ[5] متجانسین تو ادغام

حواشی فصل ششم

[1] ادغام کے بارے میں جہاں تک مسائل کا تعلق ہے معلم التجوید میں کافی تفصیل کیساتھ بیان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ادغام کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، ادغام کے سبب، ادغام کی شرط، ادغام کے موانع، ادغام کی کیفیت، ادغام کی قسمیں، ادغامِ متجانسین اور متقاربین کی وہ تمام صورتیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں، یہ سب چیزیں چونکہ وہاں بیان ہو چکی ہیں اسلئے امید ہے کہ طلباء اب رسالہ ہذا کی عبارت سے یہ مسائل خود بخود سمجھتے چلے جائیں گے۔ تاہم قابلِ وضاحت موقعوں کی وضاحت اس حاشیہ میں بھی کر دی گئی ہے۔

[2] یہ تین قسمیں باعتبارِ سبب کے ہیں، کیونکہ آگے متن میں سبب ہی کی بحث ہے۔۱۲

[3] یعنی وہ حرف جو دو بار آئے، پس اِذْ ذَّھَبَ میں چونکہ ذال دو بار آتی ہے اسلئے اس کو مکرر کہتے ہیں اور مثلین کا مطلب بھی یہی ہے۔۱۲

[4] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حقیقت کی رو سے تو ایسے کوئی بھی دو حرف نہیں جن کا مخرج ایک ہی ہو، البتہ بعض حرفوں کے مخارج میں غایت درجہ کا قرب ہے جس کی وجہ سے ان کا مخرج ایک ہی شمار کر لیا گیا ہے۔۱۲

[5] ادغام کی باعتبارِ سبب چونکہ تین ہی قسمیں ہیں، اسلئے جب دو کی نفی ہو گئی تو تیسری خود بخود ثابت ہو گئی۔ مؤلف رحمہ اللہ نے ادغامِ متقاربین کی پوری اور باقاعدہ تعریف جو بیان نہیں فرمائی تو

متقاربین کہلائیگا مثل اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ۔ پھر ادغام متجانسین اور متقاربین دو قسم پر ہے:۔ ناقص اور تام، اگر پہلے حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر ادغام کیا ہے تو ادغام تام

اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ تقارب کی کئی صورتیں ہیں:۔

- تقارب باعتبارِ مخرج
- تقارب باعتبارِ صفات
- تقارب بلحاظِ مخرج وصفات (ہر دو)

تو ان صورتوں کو سامنے رکھ کر قرآنی کلمات میں تقارب کو سمجھنا یعنی یہ معلوم کرنا کہ اس کلمہ میں تقارب کس لحاظ سے ہے، آیا بلحاظِ مخرج ہے یا بلحاظِ صفات یا مخرج وصفات دونوں کی رو سے ہے، چونکہ یہ ایک مشکل اور غور طلب امر تھا، اسلئے مؤلف رحمہ اللہ نے ایک بہت ہی آسان اور مختصر پیرائے میں متقاربین کی حقیقت کو بیان فرمایا کہ اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جو نہ مثلین ہیں نہ متجانسین تو ادغام متقاربین کہلائیگا۔ بس اب نہ تقارب کی صورتوں میں غور کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس قصہ میں پڑھنے کی حاجت کہ فلاں کلمہ میں تقارب کی کونسی صورت ہے اور فلاں کلمہ میں کونسی، بس بہت ہی آسان اور موٹی سی بات ہے کہ جہاں نہ تماثل ہو نہ تجانس اور ادغام ہو رہا ہو تو وہاں لازماً اسکا سبب تقارب ہی ہوگا اور وہ ادغام متقاربین ہی کہلائیگا، کیونکہ نہ ادغام کا کوئی چوتھا سبب ہے اور نہ اس کی کوئی چوتھی قسم۔ اور اگر تقارب کی صورتیں اور ان کی مثالیں معلوم کرنا چاہو تو کتاب معلم التجوید میں ادغام کی بحث دیکھو۔۱۲

[۶] دو قسمیں صرف متجانسین اور متقاربین ہی کی اسلئے بتائی ہیں کہ مثلین میں یہ تقسیم جاری نہیں ہوتی وہ صرف تام ہی ہوتا ہے (دیکھو معلم التجوید)۔ اور یہ دو قسمیں یعنی تام وناقص باعتبارِ کیفیت کے ہیں، پس سبب کی تین قسموں کو کیفیت کی دو قسموں میں ضرب دینے سے ادغام کی کل قسمیں چھ ہو جاتی ہیں، لیکن ان میں سے ایک قسم نہیں پائی جاتی۔ باقی تفصیل معلم التجوید میں دیکھو۔۱۲

[۷] یعنی اس طرح کہ اس کی صفت بھی باقی نہ رہے۔ ورنہ محض ذات کی تبدیلی تو ناقص میں بھی ہوتی ہے۔۱۲

کہلائے گا مثل قُلْ رَّبِّ اور وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ، عَمَّ۔ اور اگر پہلے حرف کی کوئی صفت باقی ہے تو ادغام ناقص ہوگا مثل مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ[8] اور بَسَطْتَّ، اَحَطْتُّ کے۔ مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف[9] جب ساکن ہو تو ادغام واجب ہے مثل اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ، وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ، عَبَدْتُّمْ، اِذْ ظَّلَمُوْا، اِذْ ذَّهَبَ، قَدْ تَّبَيَّنَ، قَدْ دَّخَلُوْا، قُلْ رَّبِّ، بَلْ رَّفَعَهُ[10] اور يَلْهَثْ ذّٰلِكَ، يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا میں اظہار بھی ثابت[11] ہے۔ اور جب دو واو، یا دو یاء جمع ہوں اور پہلا حرف مدّہ ہو مثل قَالُوْا وَهُمْ، فِيْ يَوْمٍ تو ادغام[12] نہ ہوگا۔ ایسے ہی

[8] ان میں سے مَنْ يَّقُوْلُ اور مِنْ وَّالٍ یہ دو مثالیں تو متقاربین ناقص کی ہیں اور باقی دو متجانسین ناقص کی، کیونکہ نون اور یاء اور ایسے ہی نون اور واو تو نہ مثلین ہیں اور نہ متجانسین، البتہ طاء اور تاء ہم مخرج ہونے کی وجہ سے متجانسین ہیں۔ ۱۲

[9] پہلے حرف کے ساکن ہونے کی صورت میں وجوب ادغام کو جو صرف مثلین اور متجانسین کے ساتھ ہی خاص کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ متقاربین میں یہ کلیہ جاری نہیں، بلکہ روایتِ حفص میں اس کی صرف سات ہی صورتیں آئی ہیں جو معلم التجوید میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں اور یہاں متن میں بھی آگے آ رہی ہیں۔ ۱۲

[10] یہ دونوں ادغامِ متجانسین کی مثالیں صرف فراء رحمہ اللہ کے مذہب پر ہی بن سکتی ہیں کیونکہ خلیل اور سیبویہ رحمہ اللہ کے نزدیک لام اور راء کا مخرج الگ الگ ہے، پس ان کے مذہب کی رو سے یہ متقاربین میں ہیں۔ ۱۲

[11] مگر یہ اظہار "طیبہ" کے طریق سے ہے اور شاطبیہ کے طریق سے ان دونوں موقعوں میں ادغام ہی ضروری ہے۔ ۱۲

[12] کیونکہ مثلین میں پہلے حرف کا مدّہ ہونا ادغام کے لیے مانع ہے۔ یہ توجیہ فراء رحمہ اللہ کے مذہب کی بناء پر کی گئی ہے، ورنہ خلیل رحمہ اللہ کے مذہب کی رو سے تو قَالُوْا وَهُمْ اور فِيْ يَوْمٍ وغیرہ

حرفِ حلقی کسی حرفِ غیرِ حلقی میں مثل لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اور اپنے مجانس میں مثل فَاصْفَحْ عَنْهُمْ مدغم نہ[13] ہوگا اور اپنے مماثل میں مدغم[14] ہوگا مثل يُوَجِّهْهُّ، مَالِيَهْ ۝[15] هَّلَكَ،

میں سرے سے تماثل ہے ہی نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک حروفِ مدّہ کا مخرج مقدر ہے اور غیر مدّہ کا محقق۔ اور اصل وجہ عدمِ ادغام کی یہ ہے کہ ایسے موقعوں میں ادغام کرنے سے واؤ اور یاء کی مدّیت جو صفت ذاتی ہے، فوت ہوجاتی ہے۔

[13] یہاں بھی عدمِ ادغام کی وجہ وہی سابق ہے یعنی مانع موجود ہے، کیونکہ متجانسین میں پہلے حرف کا حلقی ہونا ادغام کیلئے مانع ہے۔ اور مقارب میں ادغام کے نہ ہونے کی وجہ تو اور بھی ظاہر ہے کیونکہ حروفِ حلقی جب اپنے مجانس میں مدغم نہیں ہوتے تو مقارب میں بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ تقارب بہ نسبت تجانس کے ادغام کا کمزور سبب ہے۔ اور حروفِ حلقی کے اپنے مجانس اور مقارب میں مدغم نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ادغام سے مقصود خفت فی التلفظ یعنی کلمہ کے ادا کرنے میں تخفیف اور آسانی ہوتی ہے، مگر حروفِ حلقیہ میں ادغام سے اہل زبان کے نزدیک چونکہ بجائے آسانی اور خفت کے تلفظ میں گرانی اور ثقل آجاتا ہے، اس لیے ان کا ایک دوسرے میں ادغام نہیں کرتے، البتہ مماثل میں حروفِ حلقی بھی مدغم ہوتے ہیں جس کی وجہ آئندہ حاشیہ میں آرہی ہے۔ ١٢

[14] کیونکہ "تماثل" ادغام کا قوی ترین سبب ہے اور یوں بھی مثلین میں سے جب پہلا ساکن ہو تو اس کو اظہار سے پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے بلکہ سکتہ لطیفہ کے بغیر اظہار ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے مماثل میں ادغام ہی کو اختیار کیا گیا ہے۔ ١٢

[15] اس میں اظہار بھی ثابت ہے بلکہ بہتر اور اولیٰ اظہار ہی ہے کیونکہ یہ ھائے سکتہ ہے لیکن اظہار بغیر سکتہ کے ناممکن ہے، پس اظہار کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ وصل کی حالت میں ھائے سکتہ پر سکتہ لطیفہ کیا جائے، اگر سکتہ نہ کیا جائے گا تو لا محالہ ادغام ہی ہوگا یا ھائے سکتہ متحرک ہو جائے گی جیسا کہ نہایۃ القول المفید اور اتحاف سے معلوم ہوتا ہے۔ (از تعلیقاتِ مالکیہ)۔ ١٢

ایسے ہی لام کا ادغام نون میں نہ[16] ہوگا مثل قُلْنَا۔[17]

[16] مگر نون میں ہر قسم کے لام کا ادغام منع نہیں بلکہ یہ ممانعت لامِ فعل اور لامِ ھَلْ و بَلْ کیساتھ ہی خاص ہے جیسے ھَلْ نَدُلُّکُمْ اور بَلْ نَتَّبِعُ وغیرہ۔ اور لامِ تعریف کا ادغام نون میں ہوتا ہے جس کی مثالیں اَلنَّارَ، اَلنُّوْرُ اور اَلنَّاسِ وغیرہ ہیں، چنانچہ آگے متن میں ایک مستقل فائدہ کے ضمن میں لامِ تعریف کے ادغام کا پورا مسئلہ آرہا ہے۔ اور خاص لفظ قُلْ میں عدمِ ادغام کی وجہ اس عام قاعدہ کے علاوہ ایک اور بھی ہوسکتی ہے جس کی تقریر آئندہ حاشیہ میں آرہی ہے۔۱۲

[17] اس میں ادغام نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ توالیٔ تعلیلات یعنی ایک ہی کلمہ میں بہت سے تغیرات لازم نہ آئیں کیونکہ صرفی قاعدہ کی رو سے قُلْنَا میں ایک تغیر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ قُلْنَا اصل میں قَوَلْنَا تھا، پھر واؤ متحرک ماقبل مفتوح واؤ کو الف سے بدل دیا قَالْنَا ہوگیا، پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا قَلْنَا ہوگیا، پھر قاف کے فتحہ کو ضمہ سے بدل دیا قُلْنَا ہوگیا، اب اگر ادغام کریں گے تو لام میں بھی تغیر کرنا پڑے گا۔

اور قُلْ نَعَمْ میں بھی عدمِ ادغام کی وجہ یہی سمجھنی چاہیے، اس لیے کہ قُلْ اصل کی رو سے اُقْوُلْ تھا، پھر واؤ کا ضمہ نقل کر کے قاف کو دے دیا، پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے واؤ کو حذف کر دیا اور ہمزہ کی ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے اس کو بھی گرا دیا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

اس موقع سے متعلق طلباء کے اندر دو سوال عام طور پر گشت کیا کرتے ہیں:۔

* ایک یہ کہ جب قُلْنَا اور قُلْ نَعَمْ جیسے کلمات میں لام کا ادغام نون میں نہیں ہوتا تو پھر قُلْ رَّبِّ میں لام کا راء میں کیوں ہوتا ہے، کیونکہ اگر لام و راء متجانسین یا متقاربین ہیں تو لام و نون بھی تو متجانسین یا متقاربین ہی ہیں؟

* دوسرا یہ کہ جب قُلْ رَّبِّ اور بَلْ رَّفَعَهُ میں لام کا ادغام راء میں ہوتا ہے تو رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ جیسی مثالوں میں راء کا ادغام لام میں کیوں نہیں ہوتا؟

سو پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ اگرچہ مخرج کی رو سے تو لام و نون اور لام و راء میں ایک ہی جیسا قرب ہے لیکن نون کی صفتِ غنہ کی وجہ سے لام و نون میں ایک طرح کا بُعد اور اجنبیت سی

۱ **فائدہ:** لامِ تعریف اگر ان چودہ حروف کے قبل آوے تو اظہار ہوگا، اور چودہ حروف یہ ہیں:۔ اِبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِيْمَهٗ[18] اور ان کو حروفِ قمریہ[19] کہتے ہیں جیسے اَلْئٰنَ، اَلْبُخْلِ، اَلْغُرُوْرُ، اَلْحَسَنَةُ، بِالْجُنُوْدِ، اَلْكَوْثَرَ ۝، اَلْوَاقِعَةُ ۝، اَلْخَآئِنِيْنَ ۝، اَلْفَآئِزُوْنَ ۝، اَلْعُلٰى ۝، اَلْقٰنِتِيْنَ ۝،

پیدا ہوگئی ہے۔ بخلاف لام وراء کے کہ ان میں یہ بات نہیں، اس لیے لام کا راء میں تو ادغام کیا گیا ہے اور نون میں نہیں کیا گیا۔

اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ادغام متجانسین اور متقاربین میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ مدغم ضعیف ہو اور مدغم فیہ قوی، یعنی قوی حرف کا ضعیف حرف میں ادغام نہیں ہوتا۔ پس راء میں چونکہ صفاتِ قویہ میں سے ایک صفت زیادہ ہے جو لام میں نہیں ہے، اسلئے راء تو قوی ہے اور لام ضعیف اور اسی لیے لام کا راء میں ادغام کیا گیا ہے لیکن راء کا لام میں نہیں کیا گیا۔ یہ سب نکات بعد الوقوع ہیں، ورنہ اصل وجہ روایت کی اتباع اور اس کی موافقت ہے۔

[18] اس مجموعہ کا معنیٰ یہ ہے: "تو اپنے حج کی خوبی کو تلاش کر اور بانجھ یعنی نامقبول حج سے اندیشہ کر"۔ مطلب یہ ہے کہ حلال اور پاک مال سے حج کر تاکہ شرفِ قبول حاصل کرے اور اس سے ڈر کہ کہیں یہ حرام مال سے ہونے کے باعث یا دوسرے گناہوں کے سبب بانجھ اور بے ثواب نہ ہو جائے۔ (مفتاح الکمال)

[19] حروفِ قمریہ کو قمریہ اور شمسیہ کو شمسیہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس طرح چاند کی موجودگی میں ستارے غائب نہیں ہوتے بلکہ موجود رہتے ہیں، اسی طرح حروفِ قمریہ کے لامِ تعریف کے بعد آنے سے لام مدغم ہو کر غائب نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی اپنی ذات باقی رہتی ہے اور ایسے ہی جس طرح آفتاب کی موجودگی میں ستاروں کی روشنی آفتاب کی روشنی میں جذب ہو جاتی ہے، اسی طرح حروفِ شمسیہ میں لامِ تعریف مدغم ہو کر غائب ہو جاتا ہے، پس لامِ تعریف تو بمنزلہ ستاروں کے ہے اور حروفِ شمسیہ و قمریہ بمنزلہ شمس و قمر کے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

اَلْیَوْمَ، اَلْمُحْصَنٰتِ۔ باقی چودہ حرفوں میں ادغام کیا جائے گا جن کو حروفِ شمسیہ کہتے ہیں، جیسے وَالصّٰٓفّٰتِ، وَالذّٰرِیٰتِ، اَلثَّاقِبُ، اَلدَّاعِ، اَلتّٰٓئِبُوْنَ، اَلزَّانِیْ، اَلسّٰجِدِیْنَ، اَلرَّحْمٰنُ، اَلشَّمْسُ، وَلَا الضَّآلِّیْنَ، اَلطَّارِقُ، اَلظّٰلِمِیْنَ، اَللّٰـهُ، اَلنَّجْمُ۔

۲ فائدہ: نون ساکن اور تنوین[20] کا ادغام یاء اور واؤ میں اور طاء کا ادغام تاء میں ناقص ہوگا اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ادغامِ ناقص بھی جائز ہے مگر ادغامِ تام اَولیٰ[21] ہے۔ اور نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ میں اظہار ہوگا اور ادغام بھی ثابت[22] ہے۔

۳ فائدہ: عِوَجًا ۜ قَیِّمًا سورہ کہف میں اور مَنْ ۜ رَاقٍ سورہ قیامہ میں اور بَلْ ۜ رَانَ سورہ مطففین میں اظہار[23] ہوگا سکتہ[24] کی وجہ سے۔ اور ایک جگہ حفص رحمہ اللہ کی

[20] البتہ نون کا واؤ اور یاء میں تو ادغام "متقاربینِ ناقص" ہے اور طاء کا تاء میں ادغام "متجانسینِ ناقص"، جیسا کہ ظاہر ہے۔

[21] یعنی بہتر۔ اور تام وناقص دونوں کی کیفیتِ ادا ایضاح البیان لمعہ نمبر ۱۴، حاشیہ نمبر ۹ میں ونیز معلم التجوید میں لکھی جاچکی ہے، ضرورت ہو تو وہیں دیکھیں۔

[22] ان میں بھی ادغام بطریقِ طیبہ ہی ہے اور شاطبیہ کے طریق سے ان میں اظہار ہی ضروری ہے مگر یٰسٓ ۝ میں سین کی یائے مدّہ میں اور نٓ کے واؤ میں مد دونوں صورتوں میں ہوگا۔ فرق اتنا ہوگا کہ اظہار کی صورت میں یہ مد حرفی مخفف کہلائیگا اور ادغام کی صورت میں حرفی مثقل۔ ۱۲

[23] مگر مَنْ ۜ رَاقٍ اور بَلْ ۜ رَانَ میں تو اظہار اپنے حقیقی معنیٰ کی رو سے ہوگا، یعنی نون اور لام بغیر کسی تغیر کے ادا ہوں گے لیکن عِوَجًا ۜ قَیِّمًا میں اظہار اپنے حقیقی معنیٰ میں نہیں، اس لیے کہ سکتہ کی حالت میں اسکا تنوین الف سے بدل جائیگا اور سکتہ الف پر ہوگا نہ کہ تنوین پر۔ پس یہاں اظہار سے مراد عدمِ اخفاء ہے اور بس، یہ مراد نہیں کہ تنوین بھی ادا کی جائے۔ ۱۲

[24] اصطلاحِ قراء میں سکتہ کی تعریف یہ ہے کہ تلاوت کو جاری رکھتے ہوئے کسی کلمہ پر بغیر سانس

روایت میں اور بھی سکتہ ہے یعنی مِنۡ مَّرۡقَدِنَا سکتہ ۲۵ سورہ یٰسین میں۔ اور چونکہ سکتہ ایک

توڑے تھوڑی دیر کیلئے آواز کو روک لینا اور پھر اسی سانس سے آگے پڑھنا، پھر سکتہ کی دو قسمیں ہیں:

① سکتہ لفظی ② سکتہ معنوی

❋ جہاں دو کلموں کے اتصال سے معنیٰ میں التباس واقع ہونے کا احتمال ہو، ان مواقع میں جو سکتہ کیا جاتا ہے اسکو سکتہ معنوی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان چاروں موقعوں میں سکتہ کی وجہ یہی ہے۔

❋ اور کبھی سکتہ تَقۡوِيَةٌ لِّلۡهَمۡزِ یعنی ہمزہ کو صاف اور محقق ادا کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے اس کو سکتہ لفظی کہتے ہیں۔ سکتہ لفظی روایتِ حفصؒ میں بطریق شاطبیؒ تو کہیں نہیں، البتہ طیبہ کے بعض طرق سے اِنَّ الۡاِنۡسٰنَ اور قَدۡ اَفۡلَحَ جیسے موقعوں میں ہوتا ہے وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ۔

رہا یہ سوال کہ جب سکتہ کی کیفیت اور اسکے احکام وقف سے ملتے جلتے ہیں تو پھر اس کو وقف کی بجائے ادغام کی بحث میں کیوں بیان کیا ہے؟ سو اسکا جواب یہ ہے کہ سکتہ کے چار موقعوں میں سے دو موقع ایسے ہیں کہ اگر ان میں سکتہ نہ ہوتا تو قاعدہ کے پائے جانے کی وجہ سے ادغام ہوتا مگر سکتہ کی وجہ سے ان میں ادغام نہیں ہو سکتا۔ پس سکتہ کا ذکر یہاں اس مناسبت سے کیا ہے کہ یہاں چونکہ روایۃً سکتہ ثابت ہے، اسلئے باوجود ادغام کا قاعدہ پائے جانے کے بھی ادغام نہ ہوگا بلکہ سکتہ کی وجہ سے اظہار ہوگا، اور جب مذکورہ بالا مناسبت کی بناء پر سکتہ کے دو موقعوں کا ذکر ادغام کی بحث میں کرنا پڑا تو باقی دو موقعوں کو بھی یہیں بیان کر دیا تاکہ سکتہ کی پوری بحث ایک ہی جگہ آجائے۔ لیکن اس سے پھر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر سکتہ کے موقعوں کو یہاں بیان کرنے کی وجہ یہی ہے تو پھر تو اسکا بیان نون ساکن وتنوین کی بحث میں آنا چاہیے تھا، کیونکہ سکتہ کا پہلا موقعہ عِوَجًا ہے اور اسکا تعلق اسی بحث سے ہے؟ سو جواب اسکا یہ ہے کہ بہ نسبت ایک کے دو موقعوں کی مناسبت اولیٰ اور قوی تر ہے۔ نیز یہ کہ عِوَجًا میں سکتہ تنوین پر نہیں ہوتا بلکہ الف پر ہوتا ہے بخلاف مَنۡ سکتہ رَاقٍ اور بَلۡ سکتہ رَانَ کے، کہ ان میں سکتہ نون اور لام پر ہوتا ہے جو کہ ادغام کے حرف ہیں وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ۔۱۲

۲۵ چونکہ اس جگہ وقفِ لازم ہے اور سورہ کہف میں عِوَجًا ۝ پر آیت ہے، اسلئے ان دونوں

لحاظ سے حکم وقف[۲۶] کا رکھتا ہے، اس وجہ سے عِوَجًا کی تنوین کو الف[۲۷] سے بدل دیا جائیگا اور حفص رحمہ اللہ کی روایت میں ترکِ سکتہ[۲۸] بھی ان مواضع میں ثابت ہے تو اس وقت موضعِ اوّل میں اخفاء ہوگا اور ثانیین[۲۹] میں ادغام ہوگا۔

موقعوں میں وقف کرنا بمقابلہ سکتہ کے زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے (از تعلیقاتِ مالکیہ)۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان موقعوں میں اگر وقف کیا جائیگا تو روایت کی مخالفت لازم آئے گی۔ اسلئے کہ سکتہ وصل کے احکام میں سے ہے، وقف میں اسکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یوں بھی وقف کرنے سے سکتہ کا مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ سکتہ معنوی التباس سے بچنے کی خاطر کیا جاتا ہے اور وقف سے یہ مقصد باحسن وجوہ پورا ہو جاتا ہے وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ۔ ۱۲

[۲۶] کیونکہ وقف کی طرح سکتہ میں بھی یہ باتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں کہ آواز کا منقطع کرنا متحرک کو ساکن کرنا، زبر کی تنوین کو الف سے بدلنا اور [ایک لحاظ سے] اس واسطے فرمایا کہ سکتہ میں وقف کے تمام احکام جاری نہیں ہوتے۔ چنانچہ وقف میں تو انقطاعِ نفس بھی ہوتا ہے اور سکتہ میں یہ بات نہیں ہوتی نیز یہ کہ وقف میں توقف زیادہ ہوتا ہے اور سکتہ میں کچھ کم۔ پس سکتہ بعض وجوہ سے وقف کا حکم رکھتا ہے نہ کہ کل وجوہ سے اور "ایک لحاظ سے" مراد بعض وجوہ ہی ہیں۔ ۱۲

[۲۷] لیکن سکتہ کی وجہ سے تنوین کو الف سے بدلنا عِوَجًا کیساتھ ہی خاص ہے اور اگر طیبہ کے بعض اُن طرق کی پیروی کرتے ہوئے جن کی رو سے ساکن منفصل پر سکتہ کرنا جائز ہے مَرِیۡضًا اَوۡ جیسے کلمات پر سکتہ کیا جائیگا تو ایسے مواضع میں تنوین کا الف سے ابدال نہ ہوگا۔ ۱۲

[۲۸] ان مواضع میں ترکِ سکتہ صرف بطریق طیبہ ہی ثابت ہے، ورنہ شاطبیہ کے طریق سے سکتہ ہی ضروری ہے۔ ۱۲

[۲۹] یعنی مَنۡ سکتہ رَاقٍ اور بَلۡ سکتہ رَانَ میں۔ اور ان کو بجائے ثانی وثالث کے ثانیین سے تعبیر کرنا شاید اس بنا پر ہو کہ ترکِ سکتہ کی صورت میں ان دونوں کی کیفیتِ ادا ایک ہی جیسی ہوتی ہے، یعنی دونوں میں ادغام ہی ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَم

۴ **فائدہ:** مشدد حرفوں میں دیر دو حرفوں کی ہوتی ہے[۳۰]۔

۵ **فائدہ:** جب دو حرف مثلین غیر مدغم ہوں[۳۱] تو ہر ایک کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے مثل اَعْيُنِنَا، شِرْكِكُمْ، يُحْيِ، دَاوٗدُ۔

* ایسا ہی متقاربین[۳۲] متصل ہوں یا قریب قریب ہوں اور ادغام نہ کیا جائے تو بھی خوب ہر ایک کو صاف پڑھنا چاہیے مثل قَدْ جَآءَ، قَدْ ضَلُّوْا، اِذْ تَقُوْلُ، اِذْ زَيَّنَ۔

---

[۳۰] اسلئے کہ حرفِ مشدّد دو حرفوں کے ملنے سے ہی بنتا ہے، خواہ یہ ملنا وضعاً ہو اور خواہ ادغام کی وجہ سے ہو۔ اور اگر حرفِ مشدّد کی ادائیگی میں دو حرفوں کی دیر نہیں لگے گی تو یہ حرف مخفف ہو جائے گا جس سے لحنِ جلی لازم آئے گی۔ ہاں یہ ملحوظ رہے کہ عام مشدّد حرفوں میں اتنی دیر نہیں لگنی چاہیے جتنی کہ غنہ والے حرفِ مشدّد میں لگتی ہے کیونکہ اس میں غنہ کی اپنی مقدار بھی شامل ہوتی ہے جو دو حرکتوں کے برابر ہے۔ پس رَبُّ کی باء، قُدَّ کی دال اور اَلذِّكْرِ کی ذال میں، اِنَّ کے نون، لَمَّا کی میم، مِنْ وَّالٍ کے واؤ اور مِنْ يَّوْمِهِمْ کی یاء کی نسبت دیر کم لگنی چاہیے۔ طلباء اس فرق کو خوب ذہن نشین کر لیں۔ ۱۲

[۳۱] خواہ یہ عدمِ ادغام بوجہ فقدانِ شرط ہو جس کی مثالیں متن میں موجود ہیں اور خواہ وجود مانع کی وجہ سے ہو جیسے قَالُوْا وَهُمْ، فِيْ يَوْمٍ اور فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وغیرہ۔ دونوں صورتوں میں مُمیّز کر کے پڑھنا ضروری ہے، ورنہ تماثل یا تجانس یا تقارب کی وجہ سے ایسے مواقع میں دونوں حرف عام طور پر کامل اظہار کے ساتھ ادا نہیں ہوتے بلکہ کبھی تو آپس میں مدغم ہو جاتے ہیں اور کبھی پہلا پوری طرح مدغم تو نہیں ہوتا لیکن دونوں الگ الگ اور صاف صاف ادا بھی نہیں ہوتے، چنانچہ متن کی مثالوں میں قاری سے اگر ذرا بھی چُوک ہو جاتی ہے اور وہ اظہار کا اہتمام نہیں کرتا تو ان غلطیوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہو جاتی ہے۔

[۳۲] متقاربین کی مثالوں میں دال و جیم میں از روئے صفات، دال و ضاد میں از روئے مخرج اور ذال و تاء و ذال و زاء میں مخرج و صفات دونوں کی رُو سے تقارب ہے۔

٭ ایسا ہی جب دو حرف ضعیف جمع ہوں مثل جِبَاهُهُمْ، یا قوی حرف کے قریب ضعیف حرف ہو مثل اِهْدِنَا، یا دو حرفِ مفخم متصل یا قریب ہوں مثل مُضْطَرَّ، صَلْصَلٍ، یا دو حرفِ مشدد قریب یا متصل ہوں مثل ذُرِّيَّتَهٗ، مُطَّهَّرِيْنَ، مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، لُجِّيٍّ يَّغْشٰهُ، وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ۔

٭ ایسا ہی دو حرف متشابہ الصوت[۳۳] جمع ہوں مثل ص س، ط ت، ض ظ ذ، ق ک تو ہر ایک کو ممتاز[۳۴] کر کے پڑھنا چاہیے اور جو صفت جس کی ہے اس کو پورے طور سے ادا کرنا چاہیے۔

[۳۳] یعنی وہ حرف جن کی آوازیں ملتی جلتی ہیں، حروفِ متشابہ الصوت کے جمع ہونے کی مثالیں یہ ہیں:۔

س ص	جیسے	اَلَيْسَ الصُّبْحُ
ط ت	جیسے	حَبِطَتْ
ت ط	جیسے	تَطَّلِعُ
ض ظ	جیسے	اَنْقَضَ ظَهْرَكَ
ذ ظ	جیسے	اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
ق ک	جیسے	خَلَقَ كُلَّ
ک ق	جیسے	لَكَ قُصُوْرًا وغیرہ وغیرہ

[۳۴] اور مشدّد حرفوں کے جمع ہونے کی صورت میں دونوں تشدیدوں کا کامل طور پر ادا ہونا اور ایسے ہی دو متشابہ الصوت حرفوں کے جمع ہونے کی صورت میں ہر ایک کا ایک دوسرے سے ممتاز ادا ہونا چونکہ پورے اہتمام اور دھیان پر موقوف ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے، اسلئے مثلین، متجانسین اور متقاربین کی طرح مشدّدتین اور متشابہتین کے اہتمام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔

ساتویں فصل: ہمزہ[١] کے بیان میں

جب دو ہمزہ متحرک جمع ہوں اور دونوں قطعی ہوں تو تحقیق سے یعنی خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے مگر:۔

٭ ءَاَعْجَمِیٌّ جو سورۂ حٰمٓ سجدہ: ۴۴ میں ہے اسکے دوسرے ہمزہ میں تسہیل ہوگی۔

٭ اور اگر پہلا ہمزہ استفہام[٢] کا ہے اور دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح ہے تو جائز[٣] ہے دوسرے

حواشی فصل ہفتم

[١] ہمزہ کے احکام بھی چونکہ معلم التجوید میں کافی تفصیل کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں، چنانچہ تسہیل وابدال اور حذف کے لغوی واصطلاحی معنیٰ، ہمزہ کی قسمیں، ہرقسم کی پہچان اور اس کا حکم، کسی کلمہ میں دو ہمزہ کے جمع ہونے کی صورتیں، ان کی مثالیں، ہر ہر صورت کا حکم، ہمزہ وصلی کی حرکت کی بحث، یہ سب چیزیں وہاں بیان ہو چکی ہیں، اسلئے امید ہے کہ قارئین اس فصل میں بھی نفسِ مسئلہ سے متعلق کسی حاشیہ کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ ہاں سابق کی طرح قابلِ وضاحت الفاظ پر حواشی اس فصل میں بھی لکھے گئے ہیں۔

[٢] پہلے ہمزہ کے ساتھ استفہام کی قید کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس سے پہلے دو ہمزوں کے جمع ہونے کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں پہلا ہمزہ استفہام کا نہیں ہوتا، یا جب دو ہمزے اس طرح کے جمع ہوں کہ پہلا قطعی ہو اور دوسرا وصلی، تو پہلا کبھی غیر استفہامی بھی ہوتا ہے۔ اسلئے کہ جب بھی کسی کلمہ میں دو متحرک ہمزے جمع ہوتے ہیں، عام اس سے کہ وہ دونوں قطعی ہوں جیسے ءَاَنْتَ، ءَاِنَّكَ، ءَاُنْزِلَ، یا پہلا قطعی اور دوسرا وصلی ہو جیسے آٰلْـٰٔنَ وغیرہ تو پہلا ہمزہ ہمیشہ استفہام ہی کا ہوتا ہے، پس یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ البتہ لفظ اَىِٕمَّةً میں پہلا ہمزہ استفہام کا نہیں بلکہ جمع کا ہے۔

[٣] پس آٰللّٰهُ وغیرہ میں تو تسہیل جائز ہے اور ءَاَعْجَمِیٌّ میں واجب۔

ہمزے میں تسہیل اور ابدال، مگر ابدال اولیٰ ہے اور یہ چھ جگہ ہے:۔ آٰلْـٰٔنَ سورۂ یونس میں دو جگہ، ءَآلذَّكَرَيْنِ سورۂ انعام میں دو جگہ، ءَآللّٰهُ دو جگہ ایک سورۂ یونس میں، دوسرا سورۂ نمل میں ہے۔

❋ اور جب پہلا ہمزہ استفہام کا ہو اور دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح[۴] نہ ہو تو یہ دوسرا ہمزہ حذف کیا جائیگا مثل اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ، اَصْطَفَی الْبَنَاتِ، اَسْتَكْبَرْتَ اور فتحہ کی حالت میں جو حذف نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں التباس[۵] انشاء کا خبر کیساتھ ہو جائیگا اور چونکہ ہمزہ وصلی وسطِ کلام میں حذف ہوتا ہے اس وجہ سے اسمیں تغیر کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ابدال اولیٰ ہے کیونکہ اس میں تغیر تام[۶] ہے بخلاف تسہیل کے۔

[۴] یعنی مکسور ہو، کیونکہ ہمزہ قطعی کے بعد دوسرا ہمزہ وصلی مضموم نہیں آیا۔

[۵] التباس کے معنیٰ ہیں: مشتبہ ہو جانا اور حقیقۃ الامر کا پتہ نہ چلنا۔ پس مطلب یہ ہے کہ ءَآللّٰهُ وغیرہ میں دوسرے ہمزہ کو جو کہ وصلی مفتوح ہے اگر حذف کر دیں گے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ جو ہمزہ موجود ہے وہ استفہامی ہے یا وصلی، کیونکہ:۔

❋ اگر ہمزہ استفہامی ہے تو جملہ انشائیہ ہے

❋ اور اگر وصلی ہے تو جملہ خبریہ ہے

اور ہوتے دونوں مفتوح ہی ہیں، اسی لیے اس التباس سے بچنے کی خاطر حذف نہیں کرتے۔

اور اَسْتَكْبَرْتَ وغیرہ میں ثانی ہمزہ کے جو کہ وصلی مکسور ہے حذف کر دینے سے چونکہ التباس نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں دونوں ہمزوں کی حرکت جدا جدا ہے، اسلئے اس کو ہمزہ وصلی کے عام قاعدہ کی رو سے حذف ہی کیا جاتا ہے۔ فَافْهَمْ وَتَاَمَّلْ

[۶] یعنی کامل اور پورا۔ کیونکہ ابدال میں تبدیلِ ذات ہوتی ہے اور تسہیل میں تضعیفِ ذات۔ اور تبدیلِ ذات کی صورت میں تغیر کا کامل ہونا ظاہر ہے۔

✽ اور جب دو ہمزہ جمع ہوں اور پہلا متحرک، دوسرا ساکن ہو، تو واجب ہے ہمزہ ساکن کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرفِ مد سے بدلنا[7] مثل اٰمَنُوْا، اِیْمَانًا، اُوْتُمِنَ، اِیْتِ۔

✽ اور جب پہلا ہمزہ وصلی ہو تو ابتداء کی حالت میں ہمزہ ساکنہ بدلا جائیگا اور جب ہمزہ وصلی گر جائیگا[8] تب ابدال نہ ہوگا مثل اَلَّذِی اؤْتُمِنَ، فِی السَّمٰوٰتِ ائْتُوْنِیْ، فِرْعَوْنُ[9] ائْتُوْنِیْ۔ ہمزہ وصلی کے ماقبل جب کوئی کلمہ بڑھایا جائیگا[10] تو یہ ہمزہ حذف کیا جائے گا اور ثابت رکھنا درست نہیں البتہ ابتداء میں ثابت رہتا ہے۔ اب اگر لامِ تعریف کا ہمزہ ہے تو مفتوح ہوگا اور اگر کسی اسم کا ہمزہ ہے تو مکسور[11] ہوگا اور اگر فعل کا ہے تو

---

[7] عام ہے کہ پہلا متحرک قطعی ہو یا وصلی۔ چنانچہ متن کی مثالوں میں اٰمَنَ، اِیْمٰنًا تو قطعی کی مثالیں ہیں اور اُوْتُمِنَ، اِیْتِ وصلی کی۔ مگر وصلی چونکہ درج کلام میں حذف ہو جاتا ہے اسلئے اگر ایسے کلموں کو جن کے شروع میں ہمزہ وصلی ہو، ماقبل سے ملا کر پڑھیں گے تو اس صورت میں ہمزہ وصلی کے حذف ہو جانے کی وجہ سے اس ہمزہ ساکنہ میں ابدال نہ ہوگا، کیونکہ اب دو ہمزے نہیں رہیں گے اور ابدال اسی صورت میں ہوتا ہے جب دو ہمزے ہوں۔ چنانچہ آگے متن میں بھی یہ صورت بیان کی گئی ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھو معلم التجوید: دو ہمزوں کے جمع ہونے کی چوتھی اور پانچویں صورت۔

[8] یعنی ماقبل سے ملا کر پڑھنے کی صورت میں۔ کیونکہ ہمزہ وصلی اسی حالت میں گرتا ہے۔

[9] پس ان مثالوں میں اگر تو اَلَّذِیْ، فِی السَّمٰوٰتِ اور فِرْعَوْنَ پر وقف کر کے مابعد سے ابتداء کی جائے گی تب تو ثانی ہمزہ کا ابدال ہوگا، اور اگر ان کلموں کو مابعد سے ملا کر پڑھا جائیگا تو اب چونکہ ہمزہ وصلی گر جائے گا اسلئے ہمزہ ساکنہ کا ابدال بھی نہیں ہوگا۔

[10] یعنی جب ہمزہ وصلی والے کلمہ کے شروع میں کسی دوسرے کلمہ کو ملایا جائے گا۔ بڑھانے سے یہی مراد ہے۔

[11] جن اسموں کے شروع میں ہمزہ وصلی آتا ہے وہ آٹھ ہیں:۔

تیسرے حرف کا ضمہ، اگر اصلی [12] ہے تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا ورنہ [13] مکسور مثل اَلَّذِیْنَ [14]، اِسْمٌ، اِبْنٌ، اِنْتِقَامٌ، اُجْتُثَّتْ، اِضْرِبْ، اِنْفَجَرَتْ، اِفْتَحْ۔

اور اِمْشُوْا، اِتَّقُوْا، اِئْتُوْا میں چونکہ ضمہ عارضی [15] ہے، اس وجہ سے ہمزہ مضموم نہ ہوگا بلکہ مکسور ہوگا۔

۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
اِثْنَتَانِ	اِثْنَانِ	اِمْرَاَۃٌ	اِمْرُؤٌا	اِبْنَۃٌ	اِبْنٌ	اِسْمٌ

۸	مندرجہ بالا سات تو سماعی ہیں اور آٹھویں قسم ہمزہ وصلی والے اسموں کی قیاسی ہے اور وہ بابِ افعال کے سوا ثلاثی مزید رباعی مزید ملحق برباعی کے مصادر ہیں۔ جیسے اِنْتِقَامٍ وغیرہ۔ دیکھو معلم التجوید: بابِ دوم کی فصلِ پنجم، وہاں اس سے زیادہ تفصیل ملے گی۔

[12] ضمہ اصلی وہ ہے جو خود اسی حرف کا ہو جس پر وہ ادا ہو رہا ہو اور کسی دوسرے حرف سے نقل ہو کر نہ آیا ہو۔ اسکے مقابلہ میں ضمہ عارضی ہے اور یہ وہ ضمہ ہے جو حرفِ مضموم کا اپنا نہ ہو بلکہ کسی دوسرے حرف سے نقل ہو کر اس پر آیا ہو۔ اس کی وضاحت حاشیہ نمبر ۱۵ میں آرہی ہے۔

[13] یعنی مکسور، مفتوح اور مضموم بضمہ عارضی، یہ تینوں صورتیں "ورنہ" کے تحت میں آتی ہیں، پس ان تینوں صورتوں میں ہمزۂ وصلی مکسور ہی پڑھا جائے گا۔

[14] پس ان مثالوں میں اَلَّذِیْ تو اَلْ کے ہمزہ کی مثال ہے اور اِسْمٌ، اِبْنٌ، اِنْتِقَامٌ یہ تین مثالیں اسموں کی ہیں، پہلی دو سماعی کی، تیسری قیاسی کی اور باقی سب مثالیں اَفعال کے ہمزوں کی ہیں جن میں سے اُجْتُثَّتْ میں تو ہمزہ مضموم ہوگا کیونکہ اسکا تیسرا حرف یعنی تا مضموم بضمہ اصلی ہے اور باقی سب میں مکسور، کیونکہ اِضْرِبْ میں تو تیسرا حرف یعنی را مکسور ہے اور اِنْفَجَرَتْ اور اِفْتَحْ میں مفتوح، البتہ اتنا فرق ہے کہ اِنْفَجَرَتْ تو ماضی ہے اور اِفْتَحْ امر اور باقی تین یعنی اِمْشُوْا وغیرہ میں تیسرے حرف کا ضمہ عارضی ہے جسکی وضاحت آئندہ حاشیہ میں آرہی ہے۔ ۱۲

[15] ان تینوں کا ضمہ عارضی اس لیے ہے کہ اِئْتُوْا اصل میں اِیْتِیُوْا، اِمْشُوْا اصل میں

۱ **فائدہ:** "ہمزہ" عین کے ساتھ، یا حاء کے ساتھ، یا حرفِ مدّہ عین یا حاء کے ساتھ جمع ہوں، ایسا ہی عین حاء ایک ساتھ آوے، یا عین حاء اور ھاء ایک ساتھ آوے، یا عین حاء ھاء مکرر آئیں یا مشدد ہوں تو ہر ایک کو خوب صاف طور[١٦] سے ادا کرنا چاہیے مثل

اِنَّ اللّٰـهَ عَهِدَ، فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ، فٰعِلِيْنَ، يُدَعُّوْنَ، دَعًّا، سَبِّحْهُ، عَلٰٓى اَعْقٰبِكُمْ، اَحْسَنَ الْقَصَصِ، عَلٰى عَقِبَيْهِ، اَعُوْذُ، عَهِدَ، عٰهَـدَ، عٰلَمِيْنَ، طُبِعَ عَلٰى، سَاحِرٍ، سَحَّارٍ، لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ، مَبْعُوْثُوْنَ، يٰنُوْحُ اهْبِطْ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ، لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ، جِبَاهُهُمْ۔

۲ **فائدہ:** ہمزہ متحرک یا ساکن جہاں ہو اس کو خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمزہ الف سے بدل جاتا ہے یا حذف ہو جاتا ہے یا صاف طور سے نہیں نکلتا خصوصًا جہاں دو ہمزہ ہوں وہاں زیادہ خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں ہمزہ خوب

اِمْشُوْا اور اِتَّقُوْا اصل میں اِتَّقِيُوْا تھا، پھر یاء پر ضمہ چونکہ ثقیل تھا اس لیے حرفِ ماقبل کے کسرہ کو زائل کر کے یہ ضمہ اس کی طرف منتقل کر دیا اور پھر اجتماعِ ساکنین کے صرفی قاعدہ سے یاء حذف ہو گئی اور موجودہ صورت بن گئی وَاللّٰـهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[١٦] جس طرح مثلین، متجانسین اور متقاربین کے جمع ہونے کی صورت میں جہاں وجود مانع یا فقدانِ شرط کی وجہ سے ادغام نہیں ہوتا تو وہاں دونوں حرفوں کا صاف طور پر اور الگ الگ ادا ہونا بغیر اہتمام کے ممکن نہیں ہوتا، ایسے ہی حروفِ حلقیہ کے آپس میں یا حروفِ مدّہ کے ساتھ جمع ہونے کی صورت میں بھی ہر ایک کو صاف اور ممتاز ادا کرنے کیلئے کامل اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے، اسی واسطے مؤلف رحمہ اللہ نے اس فائدہ کے ضمن میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ (دیکھو معلم التجوید: بابِ دوم فصلِ دہم، تنبیہ نمبر ایک)۔

صاف ادا ہوں[17] مثل ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ۔

۴ **فائدہ:** حرفِ ساکن کے بعد جب ہمزہ آئے تو اسکا خیال رکھنا چاہیے کہ ساکن کا سکون تام ادا ہو اور ہمزہ خوب صاف ادا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہمزہ حذف ہو جائے اور اس کی حرکت سے ماقبل کا ساکن متحرک ہو جائے جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے، بلکہ وہ ساکن کبھی مشدد بھی ہو جاتا ہے مثل قَدۡ اَفۡلَحَ، اِنَّ الۡاِنۡسَانَ۔ اسی وجہ[18] سے حفص رحمہ اللہ کے بعض طرق[19] میں ساکن[20] پر سکتہ کیا جاتا ہے تاکہ ہمزہ صاف ادا ہو خواہ وہ ساکن اور ہمزہ ایک کلمہ میں ہوں یا دو کلمہ میں۔

---

[17] ہمزہ چونکہ قوی اور سخت حرف ہے، اگر قاری سے دورانِ تلاوت میں ذرا غفلت ہو جاتی ہے تو اس کی قوت زائل ہو کر بجائے تحقیق کے تسہیل اور کبھی ابدال اور کبھی سرے سے حذف ہی ہو جاتا ہے، خصوصاً دو ہمزوں کے جمع ہونے کی صورت میں تو ان غلطیوں کا امکان اور بھی زیادہ ہوتا ہے، اسلئے مؤلف رحمہ اللہ نے اس فائدہ کے ضمن میں ان غلطیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

[18] یعنی ان غلطیوں سے بچنے کی وجہ سے۔

[19] یہ بعض طرق طیبہ کے طرق میں سے ہیں، ورنہ شاطبی کے کسی طریق سے اس قسم کے موقعوں میں سکتہ مروی نہیں۔ پس روایتِ حفص کا بطریقہ شاطبیہ التزام کرنے والوں کو ایسے مواقع میں سکتہ نہیں کرنا چاہیے۔ اور ان مواقع میں جو سکتہ کیا جاتا ہے اس کو سکتہ لفظی کہتے ہیں جس کی غرض متن میں بیان کر دی گئی ہے کہ یہ سکتہ اسلئے کیا جاتا ہے تاکہ ہمزہ صاف اور محقق ادا ہو۔

[20] یعنی اس ساکن پر جس کے بعد ہمزہ ہو۔ جیسے اَلۡاَرۡضِ اور مَنۡ اٰمَنَ وغیرہ۔ پھر اگر یہ ساکن اور ہمزہ دونوں ایک ہی کلمہ میں ہوں جیسے اَلۡاَرۡضِ اور اَلۡاُوۡلٰی تو اس کو ساکن متصل کہتے ہیں اور اگر دو کلموں میں ہوں جیسے مَنۡ اٰمَنَ اور قَدۡ اَفۡلَحَ وغیرہ تو یہ ساکن منفصل کہلاتا ہے۔ لیکن ان موقعوں میں سکتہ صرف طیبہ کے بعض طرق سے مروی ہے جیسا کہ ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۱۹ کے شروع میں بھی معلوم ہو چکا ہے اور شاطبیہ کے طرق سے سوائے ان چار موقعوں کے جن میں سکتہ

آٹھویں فصل: حرکات[۱] کے ادا کے بیان میں

فتحہ ساتھ انفتاحِ فم اور صوت کے، اور کسرہ ساتھ انخفاضِ فم اور صوت کے، اور ضمہ ساتھ انضمامِ شفتین کے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ[۲] اگر فتحہ میں کچھ انخفاض ہوا تو فتحہ مشابہ کسرہ کے ہوجائیگا اور اگر کچھ انضمام ہوگیا تو فتحہ مشابہ ضمہ کے ہوجائیگا۔ ایسا ہی کسرہ میں اگر کامل انخفاض نہ ہوگا تو مشابہ فتحہ کے ہوجائے گا بشرطیکہ انفتاح ہوگیا ہو۔ اور اگر کچھ انضمام پایا گیا تو کسرہ مشابہ ضمہ کے ہوجائیگا اور ضمہ میں اگر انضمام کامل نہ ہوا تو ضمہ مشابہ کسرہ کے ہوجائیگا بشرطیکہ کسی قدر انخفاض ہوگیا ہو۔ اور اگر کسی قدر انفتاح پایا گیا تو فتحہ کے مشابہ ہوجائیگا۔

معنوی ہے اور کہیں سکتہ مروی نہیں۔ خوب سمجھ لو اور محفوظ کرلو!

پس سکتہ کے بارے میں شاطبی اور طیبہ کے طرق کے اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ شاطبیہ کے طریق سے لفظی سکتہ تو کہیں مروی نہیں اور معنوی سکتہ کے چاروں موقعوں میں سکتہ ہی ضروری ہے اسکا ترک جائز نہیں، اور طیبہ کے طریق سے بعض موقعوں میں لفظی سکتہ بھی مروی ہے اور معنوی سکتہ کے چاروں موقعوں میں ترکِ سکتہ بھی جائز ہے۔

حواشی فصل ہشتم

[۱] حرکات کے بارے میں بھی بقدرِ ضرورت معلم التجوید میں لکھا جاچکا ہے جس کے ضمن میں حرکتوں کے نام، ان کی کیفیتِ ادا، حرکتِ معروف اور حرکتِ مجہول کی وضاحت، ان کا حکم، سکون کے ادا کرنے کا طریقہ اور اس بحث سے متعلق دوسری ضروری اور مفید باتیں وہاں بیان ہوچکی ہیں اسلئے اب ان حواشی میں صرف قابلِ وضاحت الفاظ ہی کی تشریح کی جائے گی۔

[۲] یہاں سے فائدہ تک کی تمام عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حرکت کی ایک توصحیح کیفیت ہے اور دو کیفیتیں ہر حرکت میں غلط ہیں۔ پس:۔

❁ فتحہ میں انفتاحِ کامل ہو تو صحیح ہے اور انخفاض یا انضمام کی طرف کچھ میلان ہو تو یہ دونوں

١ **فائدہ:** فتحہ جس کے بعد الف نہ ہو اور ضمہ جس کے بعد واؤ ساکن اور کسرہ جس کے بعد یاء ساکن نہ ہو، ان حرکات کو اشباع سے بچانا چاہیئے ورنہ یہی حروف پیدا[۳] ہو جائیں گے۔ ایسا ہی ضمہ کے بعد جب واؤ مشدد ہو اور کسرہ کے بعد یاء مشدد ہو مثل عَدُوٌّ، سَوِيًّا، نُجِّيٍّ اس وقت بھی اشباع سے احتراز نہایت[۴] ضروری ہے، خصوصاً وقف[۵] میں زیادہ خیال رکھنا چاہیے، ورنہ مشدد مخفف ہو جائیگا۔

٢ **فائدہ:** جب فتحہ کے بعد الف اور ضمہ کے بعد واؤ ساکن غیر مشدد اور کسرہ کے بعد یاء ساکن غیر مشدد ہو تو اس وقت ان حرکات کو اشباع سے ضرور پڑھنا چاہیے ورنہ یہ باتیں غلط ہیں۔

❋ ایسے ہی کسرہ میں کامل انخفاض ہو تو صحیح ہے اور اگر انضمام یا انفتاح کی طرف میلان پایا جائے تو یہ دونوں غلط ہیں۔

❋ اور اسی طرح ضمہ میں انضمامِ شفتین تو صحیح اور مطلوب ہے لیکن اس میں انخفاض اور انفتاح کی آمیزش، یہ دونوں غلط ہیں۔

پس جس طرح صحتِ حروف کیلئے مخارج اور صفات کا اہتمام ضروری ہے، ایسے ہی حرکات کی صحیح ادا کیلئے ان کی صحیح کیفیات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ صحیح اور غلط حرکت میں چونکہ پوری طرح امتیاز سننے سے ہی ہوسکتا ہے، اسلئے اگر اساتذہ کیلئے ممکن ہو تو صحیح اور غلط دونوں قسم کی حرکتوں کا تلفظ کر کے سنا دیں، تاکہ طلباء دونوں کے فرق کو عملی طور پر بھی سمجھ سکیں۔

[۳] کیونکہ یہ حروف ان حرکتوں کے اشباع سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

[۴] تاکہ تشدید فوت ہو کر واؤ اور یاء مخفف نہ ہو جائیں ورنہ لحنِ جلی لازم آئے گی۔

[۵] وقف میں چونکہ سانس ختم ہو رہا ہوتا ہے اور تشدید کیلئے اہتمام اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے اس حالت میں خصوصی اہتمام کی طرف توجہ دلائی ہے، تاکہ تساہل کی وجہ سے کہیں اس غلطی کا وقوع نہ ہو جائے۔

حروف ادا نہ ہوں گے، خصوصاً جب کئی حرفِ مدّہ قریب قریب جمع ہوں تو زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیونکہ اکثر خیال نہ کرنے سے کہیں اشباع ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا۔

۳ **فائدہ:** مَجْرٖىهَا جو سورۂ ہود میں ہے، اصل میں لفظ مَجْرٰىهَا ہے یعنی راء مفتوح ہے اور اسکے بعد الف ہے، اس جگہ چونکہ امالہ ہے اس وجہ سے فتحہ خالص اور الف خالص نہ پڑھا جائیگا، اور کسرہ اور نہ یاء خالص پڑھی جائے گی، بلکہ فتحہ کسرہ کی طرف اور الف یاء کی طرف مائل کر کے پڑھا جائیگا، جس سے فتحہ کسرۂ مجہول[۸] کے مانند ہو جائیگا اور اسکے بعد یائے مجہول ہوگی اور اسکے سوا اور کہیں امالہ نہیں[۹] ہے۔

۶ ان حرکتوں کو اشباع سے نہ پڑھنے کی صورت میں ان کے بعد والے حروفِ مدّہ کا ادا نہ ہونا بدیہی امر ہے، کیونکہ یہ حروف حرکات کے اشباع سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

۷ جس طرح مثلین یا متجانسین یا متقاربین کے، یا دو ہمزوں کے جمع ہونے کی صورت میں ہر ایک کو صاف صاف اور ایک دوسرے سے ممتاز کر کے پڑھنا بغیر اہتمام کے ممکن نہیں ہوتا، جس کی طرف اس سے پہلے کی دو فصلوں میں مؤلف رحمہ اللہ توجہ دلا چکے ہیں، اسی طرح جب دو یا دو سے زیادہ حروفِ مدّہ پاس پاس آجاتے ہیں تو ان کو ان کی پوری مقدار کے ساتھ ادا کرنے کیلئے بھی خصوصی اہتمام کرنا پڑتا ہے جس کی یہاں تاکید فرما رہے ہیں۔

۸ کسرۂ مجہول اور اس کے بعد یائے مجہول کی اصطلاح کا استعمال مؤلف رحمہ اللہ نے امالہ کے تلفظ کو اردو بول چال میں سمجھانے کی غرض سے کیا ہے، ورنہ کلامِ عرب میں نہ کسرۂ مجہول ہے اور نہ یاء مجہول، اس میں تو معروف ہی معروف ہے۔ چنانچہ آگے ایک مستقل فائدہ میں مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اس بات کو بیان فرمایا ہے۔

۹ یعنی روایتِ حفص میں، کیونکہ مخاطب اسی روایت کے طلباء ہیں۔ ورنہ دوسری روایتوں میں تو امالہ بکثرت ہے۔

۴ **فائدہ:** کسرہ اور ضمہ کلامِ عرب میں مجہول نہیں بلکہ معروف ہیں اور ادا[10] کی صورت یہ ہے کہ کسرہ میں انخفاضِ کامل کیساتھ آواز کسرہ کی باریک نکلے اور ضمہ میں انضمامِ شفتین کیساتھ ضمہ کی آواز باریک نکلے۔

۵ **فائدہ[11]:** حرکات کو خوب[12] ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے، یہ نہ ہو کہ مشابہ سکون کے ہو جائیں۔ ایسا ہی سکون کامل کرنا چاہیے تاکہ مشابہ حرکت کے نہ ہو جائے اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ساکن حرف کی صوت مخرج میں بند ہو جائے اور اسکے بعد[13] ہی دوسرا حرف نکلے اور اگر دوسرے حرف کے ظاہر ہونے سے پہلے مخرج میں جنبش[14] ہو گئی تو لامحالہ

[10] ادا کی صورت مؤلف رحمہ اللہ نے علمی طور پر تو بیان فرما ہی دی ہے اور معلم التجوید و ایضاح البیان میں معروف اور مجہول دونوں قسم کی حرکتوں کو اردو الفاظ کی تقابلی مثالوں سے سمجھا دیا گیا ہے۔ باقی رہا عملی طور پر ان کا شعور؟ سو اسکا حاصل ہونا استاذِ مشاق کی زبان سے سننے پر ہی موقوف ہے۔

[11] اس فائدہ کے ضمن میں مؤلف رحمہ اللہ نے حرف کی ہر دو حالتوں میں یعنی حرکت اور سکون کی صحتِ ادا کی حفاظت کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کیونکہ ان دونوں کی کیفیتِ ادا کی حفاظت کرنا بھی تجوید کے لوازم میں سے ہے۔ پس قاری کو چاہیے کہ جس طرح وہ حروف کی تصحیح کیلئے مخارج اور صفات کا اہتمام کرے، اسی طرح وہ حروف کے ان احوال یعنی حرکت و سکون کی صحیح ادا کا بھی پورا پورا خیال رکھے۔

[12] یعنی اس طرح کہ حرکت کے ادا ہوتے وقت ضرورت کے مطابق انفکاکِ عضوین کا اہتمام ہوتا رہے ورنہ اگر انفکاک نہ ہوگا تو لامحالہ حرکت سکون کے مشابہ ہو جائے گی، کیونکہ حرکت تو انفکاکِ عضوین سے ادا ہوتی ہے اور سکون اتصالِ عضوین سے۔

[13] یعنی فوراً بعد۔ کیونکہ اگر حرفِ ساکن کی آواز کے مخرج میں بند ہونے کے فوراً بعد ہی دوسرا حرف نہ نکلے گا بلکہ کچھ دیر کے بعد ادا ہوگا تو یہ سکتہ ہو جائے گا۔

[14] پس حرفِ ساکن کی ادائیگی میں دو باتوں کا خیال رہنا چاہیے:۔

یہ سکون حرکت کے مشابہ ہوجائیگا۔ البتہ حروفِ قلقلہ اور کاف اور تاء کے مخرج میں جنبش[15] ہوتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ حروفِ قلقلہ میں جنبش سختی کیساتھ ہوتی ہے اور کاف و تاء میں نہایت نرمی کیساتھ جنبش ہوتی ہے۔

فائدہ : کاف و تاء میں جو جنبش ہوتی ہے اس میں حاء کی، یا سین کی، یا ثاء کی بو نہ آنی چاہیے۔

❁ ایک یہ کہ اس کا سکون تام ادا ہو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ حرف ساکن کے ادا کرتے وقت اتصالِ عضوین کا پورا پورا خیال رکھا جائے، ورنہ اگر اتصال اچھی طرح نہ ہوگا تو لامحالہ اس میں حرکت کا اثر آجائے گا اور یہ غلطی عام ہے۔

❁ دوسری یہ کہ اسکے بعد دوسرا حرف فوراً ادا ہو، کیونکہ اگر فوراً ادا نہ ہوگا تو سکتہ ہوجائیگا۔ پس حرفِ ساکن پر سکتہ ہونے اور اسکے متحرک ہوجانے، دونوں ہی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

[15] مؤلف رحمہ اللہ کے کاف و تاء میں جنبش بیان کرنے سے بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہیں، اسلئے کہ اس جنبش کا فن کی دوسری اردو کتابوں میں ذکر نہیں، لیکن حق یہ ہے کہ اس جنبش کے بیان کرنے کی ضرورت تھی، کیونکہ اسکے بغیر ان دونوں حرفوں کی صحیح ادا اور ان کا صحیح تلفظ واضح نہیں ہوسکتا جیسا کہ ابھی کچھ آگے چل کر معلوم ہوگا ان شاء اللہ۔ لیکن کاف و تاء کی جنبش سے اس طرح کی جنبش مراد نہیں جو حروفِ قلقلہ میں ہوتی ہے، کیونکہ حروفِ قلقلہ میں جو جنبش ہوتی ہے وہ نہایت قوی اور جہری ہوتی ہے اور کاف و تاء میں جو جنبش ہوتی ہے وہ نہایت ضعیف اور نرم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس فرق کو خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمایا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں :۔

"فرق اتنا ہے کہ حروفِ قلقلہ میں جُنبش سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کاف و تاء میں نہایت نرمی کے ساتھ جنبش ہوتی ہے"۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہمزہ کے سوا باقی تمام حروفِ شدیدہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ان کی ادائیگی کے وقت پہلے تو شدت کی وجہ سے مخرج پر آواز قوت کے ساتھ رکتی ہے اور پھر

مخرج کو انفتاح ہو جاتا ہے، یعنی عضو متحرک دوسرے عضو سے الگ ہو جاتا ہے جس سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے۔ پھر حروفِ قلقلہ چونکہ شدیدہ مجہورہ ہیں اس لیے ان میں تو ایک عضو کا دوسرے عضو سے انفکاک قوت اور سختی کے ساتھ ہوتا ہے اور اس انفتاح سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ بھی قوی اور بلند ہوتی ہے۔ اور کاف وتاء چونکہ مہموسہ ہیں اس لیے ان میں انفکاکِ عضوین نہایت نرمی کے ساتھ ہوتا ہے اور ان سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ بھی نہایت ضعیف اور پست ہوتی ہے۔ دوسرے کو تو درکنار خود پڑھنے والے کو بھی بغیر پوری توجہ اور دھیان کے سنائی نہیں دیتی، لیکن نفسِ جنبش سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ علامہ ابو محمد مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کاف وتاء میں دو آوازیں ہوتی ہیں جن میں سے پہلی تو قوی ہوتی ہے اور دوسری ضعیف (نہایۃ القول المفید، ص: ۵۱) تو ظاہر ہے کہ یہ دوسری آواز جب ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ مخرج کو جنبش ہو جائے اور اگر جنبش نہ ہو تو یہ آواز پیدا ہی نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہمزہ میں یہی بات ہوتی ہے کہ اس میں نہ جنبش ہوتی ہے اور نہ دوسری آواز پیدا ہوتی ہے البتہ شدت کی وجہ سے مخرج پر اعتماد اس میں بھی قوت ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور پھر نہایت القول المفید ہی میں قلقلہ کی بحث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ کما مرعشی رحمہ اللہ نے باوجودیکہ کاف وتاء میں بھی ان کے مخرجوں کے انفتاح کی وجہ سے ایک زائد آواز پیدا ہوتی ہے ـــ الخ۔ پس اس سے نکل آیا کہ صاحبِ نہایت القول المفید رحمہ اللہ اور علامہ مرعشی رحمہ اللہ دونوں کے نزدیک کاف وتاء میں جنبش ثابت ہے، کیونکہ جب انفتاحِ مخرج ہوگا تو جنبش بھی ضرور ہوگی اور صحیح ادا سے بھی اس جنبش کی تائید ہوتی ہے، اسلئے کہ اگر تکلف کر کے کاف وتاء کی ادائیگی کے وقت مخرج کو انفتاح سے بچایا بھی جائے تو صفتِ ہمس قطعاً ادا نہ ہو سکے گی، کیونکہ ان دونوں میں ایک آن میں تو شدت ادا ہوتی ہے اور دوسری آن میں ہمس۔ اور ادائے ہمس کی آن انفتاحِ مخرج کے بعد ہی ہوتی ہے۔ پس اگر مخرج میں انفتاح نہ ہو تو ہمس بھی ادا نہ ہو، خصوصاً تاء میں تو اس جنبش کا احساس اور بھی آسانی سے ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا مخرج دانتوں میں ہے، جسکا جی

باب سوم

پہلی فصل: اجتماعِ ساکنین کے بیان میں

"اجتماعِ ساکنین[1] (یعنی دو ساکن کا اکٹھا ہونا) ایک علی حدہ[2] ہے، دوسرا علی غیر حدہ۔

چاہے تجربہ کر لے۔ لیکن صحیح ادا اور ذوقِ سلیم شرط ہے۔ مگر اس بات کا پورا پورا خیال رہے کہ جنبش سے پیدا شدہ آواز خود ان حرفوں ہی کی آواز ہو اور ہو بھی بہت پست۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ اس آواز میں حاء یا سین یا ثاء کی آواز مخلوط ہو جائے۔

رہا یہ سوال کہ اگر ان میں جنبش واقعی ہے تو پھر اہلِ ادا نے ان کا شمار حروفِ قلقلہ میں کیوں نہیں کیا اور قلقلہ کو قُطْبُ جَدٍّ ہی کے حرفوں میں کیوں منحصر کر دیا ہے؟ سو اسکا جواب یہ ہے کہ قلقلہ اُس جنبش اور اُس آواز کو کہتے ہیں جو قوی اور بلند ہو۔ اور ان میں جو جنبش ہوتی ہے وہ چونکہ نہایت ضعیف ہوتی ہے اور اس سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ بھی نہایت کمزور اور نفسِ جاری کے مشابہ ہوتی ہے، اسلئے ان کا شمار حروفِ قلقلہ میں نہیں کیا گیا۔ (نہایۃ القول المفید صفحہ: ۵۵)۔ وَاللّٰهُ اَعْلَم

حواشی فصل اوّل

[1] اجتماعِ ساکنین کی بحث بھی معلم التجوید میں کافی وضاحت کے ساتھ درج ہو چکی ہے جس کے ضمن میں علی حدہ اور علی غیر حدہ، دونوں قسم کے اجتماعِ ساکنین کی الگ الگ تعریف، علی غیر حدہ کی تین صورتیں، ہر صورت کا حکم اور اس بحث سے متعلق دوسری ضروری باتیں وہاں بیان ہو چکی ہیں۔ اب ان حواشی میں بھی متن کے قابلِ وضاحت الفاظ کے ضمن میں اسی مسئلہ کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ طلبہ اگر ان حواشی کا بغور مطالعہ کریں گے تو ان شاء اللہ بات سمجھ میں آ جائے گی۔ ۱۲

[2] علی حدہ کو علی حدہ اور علی غیر حدہ کو علی غیر حدہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ:۔

* علی حدہ کے معنیٰ ہیں: اپنی حالت پر

"علیٰ حدہٖ" اس کو کہتے ہیں کہ پہلا ساکن حرفِ مدّہ ہو اور دونوں ساکن ایک کلمہ میں[۳]

❁ اور علیٰ غیر حدہٖ کے معنیٰ ہیں: اپنی حالت کے غیر پر

پس علیٰ حدہٖ میں چونکہ دونوں ساکن اپنے حال پر باقی رہتے ہیں اور ان میں سے کسی پر نہ حرکت آتی ہے اور نہ وہ حذف ہوتا ہے، اسلئے اس کو علیٰ حدہٖ کہتے ہیں۔

اور علیٰ غیر حدہٖ میں چونکہ بحالتِ وصل دونوں ساکن باقی نہیں رہتے، بلکہ:-

❁ پہلی صورت یعنی اَلْقَدْرِ وغیرہ میں تو ثانی پر

❁ اور تیسری صورت یعنی قُلِ الْحَقُّ وغیرہ میں اوّل پر حرکت آجاتی ہے

❁ اور دوسری صورت یعنی قَالَا الْحَمْدُ وغیرہ میں پہلا ساکن حذف ہوتا ہے

اسلئے اس کو علیٰ غیر حدہٖ کہتے ہیں۔ پس ساکنین کا باقی نہ رہنا خواہ کسی ایک کے متحرک ہو جانے کی وجہ سے ہو اور خواہ حذف ہو جانے کی وجہ سے، دونوں ہی صورتیں علیٰ حدہٖ کے "غیر" میں داخل ہیں اسلئے کہ ساکنین کا اجتماع دونوں ہی میں باقی نہیں رہتا۔

اور بعض حضرات علیٰ حدہٖ کو علیٰ حدھما اور علیٰ غیر حدہٖ کو علیٰ غیر حدھما کہتے ہیں۔ یعنی بجائے واحد کے تثنیہ کی ضمیر استعمال کرتے ہیں۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی نکلتا ہے، کیونکہ واحد کی صورت میں ضمیر کا مرجع لفظ "اجتماع" ہے اور تثنیہ کی صورت میں اسکا مرجع "ساکنین" ہیں۔ پس اجتماع کا اپنے حال پر رہنا، اس کا مطلب یہی ہے کہ ساکنین باقی ہیں اور ایسے ہی اسکے برعکس بھی۔ ۱۲

[۳] اگرچہ مصنف علّام رحمہ اللہ نے اجتماعِ ساکنین علیٰ حدہٖ کی تعریف میں کلمہ کی وحدت اور پہلے ساکن کا مدّہ ہونا صرف انہی دو شرطوں کا ذکر فرمایا ہے، اور اسی لیے آٰلْـٰٔنَ کو اس کی امثلہ کے سلسلہ میں لائے ہیں لیکن اکثر علماءِ صرف نے ایک تیسری شرط کا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ یہ کہ ثانی ساکن مدغم بھی ہو اور اس بناء پر ان کے نزدیک آٰلْـٰٔنَ کا "اجتماعِ ساکنین علیٰ حدہٖ نہیں بلکہ علیٰ غیر حدہٖ ہے، لیکن اسکے باوجود اس میں پہلے ساکن کے حذف کو وہ بھی جائز نہیں رکھتے، اس وجہ سے کہ اس سے انشاء اور خبر میں التباس ہو جاتا ہے، یعنی یہ پتہ نہیں چلتا کہ موجودہ ہمزہ استفہام کا ہے یا وصلی۔

ہوں مثل دَآبَّۃٍ، آٰلْـٰٔنَ اور یہ اجتماعِ ساکنین جائز ہے۔ اور اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہٖ

ایسے ہی وہ حروفِ مُقطّعات جن میں مدّہ کے بعد والا ساکن مدغم نہیں جیسے یٰسٓ ۝، نٓ، حٰمٓ ۝، قٓ، کٓ... اور صٓ وغیرہ، ان سب کے اجتماعِ ساکنین کو بھی علماء صرف علیٰ غیر حدّہٖ ہی کہتے ہیں اور پھر اسکے جواز کیلئے سکون کے بنائی ہونے کا عذر پیش کرتے ہیں، اگرچہ اس اختلاف کا ادا اور کلمہ کے تلفظ پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا، اسلئے کہ جو حضرات اس کو علیٰ غیر حدّہٖ کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی اسکا باقی رکھنا ہی ضروری ہے، حذف کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

اور خَفْ، قُلْ اور بِعْ وغیرہ میں الف، واؤ اور یاء کے حذف ہونے کی جو وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ان میں جو التقائے ساکنین ہے وہ علیٰ غیر حدّہٖ ہے اور یہ علیٰ غیر حدّہٖ اسی صورت میں کہلا سکتا ہے کہ علیٰ حدّہٖ ہونے کیلئے ثانی کے مدغم ہونے کو لازمی شرط قرار دیا جائے، لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ بعض دوسری متواتر قراءتوں میں بہت سے ایسے الفاظ بھی پائے گئے ہیں جن میں نہ تو ثانی مدغم ہے اور نہ ان کا سکون بنائی ہی ہے لیکن اس پر بھی ان میں ساکنین کا اجتماع ہوا ہے اور وہ وصل و وقف میں باقی بھی رہتا ہے۔ چنانچہ:۔

- مَحْيَايْ (انعام:۱۶۲) میں قالون کی روایت پر
- اَلّٰٓئِیْ (احزاب:۴، مجادلہ:۲، طلاق:۴ میں دو) چاروں جگہ بزی اور بصری کی قراءۃ پر
- ءَاۤنْذَرْتَهُمْ (بقرہ:۶ اور یٰسین:۱۰) میں ورش کی ابدال والی وجہ پر
- هٰٓؤُلَآءِ اِنْ (بقرہ:۳۱)
- اور ایسے ہی جَآءَ اَمْرُنَا (چھیوں جگہ) ان دونوں میں ورش اور قنبل کی ابدال والی وجہ پر پہلا ساکن حرفِ مدّہ تو ہے لیکن دوسرا مدغم نہیں، مگر اسکے باوجود ان میں دونوں ساکن حالین میں باقی رہتے ہیں تو اگر ثانی کے مدغم ہونے کو لازمی شرط قرار دیں گے تو ان سب قراءتوں کو غیر صحیح قرار دینا پڑے گا، پھر ان میں آٰلْـٰٔنَ وغیرہ کی طرح پہلے ساکن کے حذف نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی موجود نہیں۔

[۴] یعنی وقف اور وصل دونوں حالتوں میں، ورنہ صرف وقف میں تو علیٰ غیر حدّہٖ بھی جائز ہے جیسا

جائز نہیں، البتہ وقف میں ⁵ جائز ہے۔

کہ آگے متن میں آرہا ہے، لیکن متن کی دونوں مثالوں میں دوسرے ساکن پر وقف کرنے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ ان میں دوسرا ساکن کلمہ کے درمیان ہے اور علیٰ حدہٖ کی ایسی مثالیں جس میں دوسرے ساکن پر وقف کیا جاسکے وہ حروفِ مُقَطَّعَات ہیں جو رسماً مابعد سے جدا ہیں جیسے الٓمٓ۝ میں میم اور حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ۝ میں میم اور قاف، کہ یہ وصل ووقف دونوں حالتوں میں ساکن ہی پڑھے جاتے ہیں۔۱۲

⁵ لیکن علیٰ غیر حدہٖ کے جواز کا یہ حکم اس کی تین صورتوں میں سے صرف اس ایک صورت کیساتھ ہی متعلق ہوگا جس میں دو ساکن ایک کلمہ میں ہوں اور پہلا مدّہ نہ ہو جیسے اَلْقَدْرِ، اَلْعُسْرِ اور وَلَا بِكْرٌ وغیرہ، کیونکہ اس کی باقی دو صورتوں میں اجتماعِ ساکنین کے وقف میں جائز ہونے کے تو کوئی معنیٰ ہی نہیں، اسلئے کہ ان دونوں صورتوں میں دوسرا ساکن کلمہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے وقف کا محل ہی نہیں کہ وقفاً اجتماعِ ساکنین کے جائز و ناجائز ہونے کا سوال پیدا ہو۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ قُلِ الْحَمْدُ اور قُلِ الْحَقُّ جیسی مثالوں میں دوسرے ساکن یعنی لام پر درمیانِ کلمہ میں ہونے کی وجہ سے وقف ہی جائز نہیں، بلکہ قُلِ الْحَقُّ والی صورت میں تو وصل میں بھی ساکنین کا اجتماع نہیں ہوسکتا، کیونکہ جب دو ساکن اس طرح جمع ہوں کہ پہلا مدّہ نہ ہو اور دونوں ہوں بھی دو کلموں میں تو یہ دونوں سرے سے ادا ہی نہیں ہوسکتے، بلکہ اس صورت میں پہلے کو لامحالہ حرکت دینا پڑتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جواز کا یہ حکم خاص سمجھا جائیگا اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کی صرف اسی ایک صورت کے ساتھ جس میں دو ساکن ایک ہی کلمہ میں جمع ہوجائیں اور باقی دو صورتیں اس حکم کے تحت داخل نہیں سمجھی جائیں گی کیونکہ ان میں دوسرے ساکن پر سرے سے وقف ہی جائز نہیں۔ چنانچہ آگے متن میں ان دو صورتوں کا حکم آرہا ہے کہ ایک میں تو پہلا ساکن حذف ہوجاتا ہے اور دوسری میں اس پر حرکت آجاتی ہے بلکہ اس آخری صورت میں تو وصل میں بھی ساکنین کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ خوب سمجھ لو!۔۱۲

اور اجتماعِ ساکنین "علیٰ غیر حدّہٖ" اس کو کہتے ہیں کہ پہلا حرفِ ساکن مدّہ نہ ہو[۶] یا دونوں ساکن ایک کلمہ میں نہ ہوں۔ اب اگر پہلا ساکن حرفِ مدّہ ہے تو اسکو حذف کردیں گے مثل وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ، عَلٰۤی اَنۡ لَّا تَعۡدِلُوۡا[۷] اعۡدِلُوۡا، وَقَالُوا الۡئٰنَ، فِی الۡاَرۡضِ، تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ، وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ[۷]، وَقَالَا الۡحَمۡدُ، فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ۔ اگر پہلا ساکن حرف مدّہ نہ ہو تو اس کو حرکت کسرہ[۸] کی دی جائے گی مثل اِنِ[۹] ارۡتَبۡتُمۡ، وَاَنۡذِرِ النَّاسَ، مِمَّا لَمۡ یُذۡکَرِ اسۡمُ اللّٰهِ،

[۶] مطلب یہ ہے کہ علیٰ حدہٖ کی دو شرطوں میں سے ایک شرط نہ پائی جائے۔ اور اگر دونوں ہی نہ پائی جائیں تب بھی علیٰ غیر حدّہٖ ہی ہے جیسے قُلِ الۡحَقُّ اور اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ وغیرہ کہ ان میں نہ تو پہلا ساکن مدّہ ہے اور نہ ہی دونوں ایک کلمہ میں ہیں۔۱۲

[۷] اس صورت کی امثلہ کے ضمن میں وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وغیرہ کیساتھ وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ، قَالَا الۡحَمۡدُ اور ذَاقَا الشَّجَرَۃَ کو ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حذفِ مدّہ کا یہ حکم عام ہے۔ خواہ یہ مدّہ تثنیہ کا الف ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ان تین کلمات میں ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت اسلیئے پیش آئی کہ بعض لوگ تثنیہ کے الف کو حذف کرنا جائز نہیں سمجھتے جو صحیح نہیں۔ اس کی باقی تقریر معلم التجوید میں دیکھو۔۱۲

[۸] کیونکہ مشہور قاعدہ ہے: اَلسَّاکِنُ اِذَا حُرِّكَ، حُرِّكَ بِالۡکَسۡرِ یعنی جب کسی ساکن حرف کو حرکت دینے کی ضرورت پیش آئے تو کسرہ کی حرکت دی جائے۔۱۲

[۹] اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ اور ایسے ہی بعد والی تینوں مثالوں کی یہ موجودہ صورت اجراء قاعدہ کے بعد بنی ہے، ورنہ اصل کی رو سے یہ اَنۡ ارۡتَبۡتُمۡ، اَنۡذِرۡ اَلنَّاسَ، مِمَّا لَمۡ یُذۡکَرۡ اِسۡمُ اللّٰهِ اور بِئۡسَ اَلۡاِسۡمُ تھے، پس ہمزہ وصلی کے گر جانے کے بعد پہلی میں نون اور راء، دوسری میں راء اور لام، تیسری میں راء اور سین اور چوتھی میں لام اور سین دو دو ساکن جمع ہوئے۔ پھر مذکورہ بالا قاعدہ کی رو سے چاروں میں پہلے ساکن کو کسرہ کی حرکت دی گئی، لیکن تین قسم کے

بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ مگر جب پہلا ساکن میم جمع ہو تو ضمہ[۱۰] دیا جائے گا مثل عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ، عَلَیْہِمُ الْقِتَالُ اور مِنْ جو حرفِ جر ہے، اسکے بعد جب کوئی حرف ساکن آئے گا تو نون مفتوح[۱۱] پڑھا جائیگا جیسے مِنَ اللّٰہِ، ایسا ہی میم الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ کی وصل میں مفتوح[۱۲] پڑھی جائے گی۔

فائدہ: بِئْسَ[۱۳] الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ جو سورۂ حجرات میں ہے اسمیں بِئْسَ کے

کلمات اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر آگے متن میں ہے کہ ان میں سے ایک پر تو ضمہ آتا ہے اور دو پر فتحہ۔

[۱۰] جمع کے میم کو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ کے عام قاعدہ کے خلاف بجائے کسرہ کے ضمہ دینے کی وجہ اصل کی موافقت ہے۔ کیونکہ جمع کے میم کی اصل حرکت ضمہ ہی ہے اور سکون تخفیفاً آتا ہے پس جب اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے اسکو حرکت دینے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسکی اصل حرکت یعنی ضمہ ہی دیا جاتا ہے اور میم جمع کی طرح اس واوِ لین پر بھی اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے ضمہ ہی آتا ہے جو جمع کیلئے ہو جیسے دَعَوُا اللّٰہَ اور رَاَوُا الْعَذَابَ وغیرہ۔ دیکھو معلم التجوید۔ ۱۲

[۱۱] مِنْ کے نون کو مفتوح پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور مِنْ کثیر الاستعمال اور کثرتِ استعمال کا تقاضا یہی ہے کہ اگر اسکو حرکت دی جائے تو خفیف ترین حرکت دی جائے۔ ۱۲

[۱۲] سورۂ آلِ عمران کے شروع میں الٓمّٓ ۝ کی میم کو بحالتِ وصل بجائے کسرہ کے فتحہ کی حرکت اسلئے دیتے ہیں تاکہ اسم الجلالہ کی تفخیم باقی رہ سکے (جاربردی رحمہ اللہ)۔ کیونکہ اگر اجتماعِ ساکنین کے عام قاعدہ کی رو سے اسکو مکسور پڑھتے تو اللّٰہ کے لام کی تفخیم باقی نہ رہتی اور فتحہ کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حروفِ مقطّعات لازم السکون ہیں جسکا تقاضا یہ ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ان کو حرکت دینے کی ضرورت پیش آئے تو خفیف ترین حرکت دی جائے اور وہ فتحہ ہی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۱۳] کیونکہ پہلا ہمزہ لامِ تعریف کا ہے اور دوسرا لفظ اِسْمُ کا، اور یہ دونوں وصلی ہی ہوتے ہیں۔ دیکھو ہمزہ کے احکام۔ ۱۲

بعد لام مکسور اسکے بعد سین ساکن ہے اور لام کے قبل اور بعد جو ہمزہ ہے وہ ہمزہ وصلی ہے، اس وجہ سے حذف کیے جائیں گے اور لام کا کسرہ بسبب اجتماعِ ساکنین کے[۱۴] ہے۔

۲ **فائدہ:** کلمہ منونہ یعنی جس کلمہ کے اخیر حرف پر دو زبر، یا دو زیر، یا دو پیش ہوں تو وہاں پر ایک نون[۱۵] ساکن پڑھا جاتا ہے اور لکھا نہیں جاتا اس کو نونِ تنوین کہتے ہیں۔ یہ تنوین وقف میں حذف[۱۶] کی جاتی ہے مگر دو زبر ہوں تو اس تنوین کو الف سے بدل دیتے[۱۷] ہیں مثلاً قَدِيْرٌ، بِرَسُوْلٍ، بَصِيْرًا۔ اور وصل میں جب اسکے بعد ہمزہ وصلی ہو تو

[۱۴] یعنی اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ کی وجہ سے، کیونکہ اَلْ الگ کلمہ ہے اور اِسْمُ الگ۔ جیساکہ قُلِ الْحَقُّ میں قُلْ الگ ہے اور اَلْحَقُّ الگ۔ پس اس میں اَلْ کا لام تو پہلا ساکن ہے اور اِسْمُ کا سین دوسرا ساکن۔

[۱۵] مطلب یہ ہے کہ تنوین کا تلفظ بعینہٖ نون ساکن کی طرح ہوتا ہے، مگر ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ نون ساکن تو پڑھنے میں بھی آتا ہے اور لکھنے میں بھی، لیکن تنوین صرف پڑھنے میں آتا ہے لکھنے میں نہیں آتا۔ البتہ زبر کا تنوین بصورتِ الف لکھا جاتا ہے جیساکہ بَصِيْرًا، خَبِيْرًا اور نَذِيْرًا وغیرہ کہ ان میں راء کے بعد جو الف ہے وہ نصبی تنوین کی صورت ہی ہے اور معلم التجوید میں نون ساکن و تنوین سے متعلق کچھ اور بھی وضاحت کی گئی ہے اور وہاں ان دونوں میں کچھ اور فرق بھی بیان کیے گئے ہیں۔۱۲

[۱۶] یہ حکم صرف زیر اور پیش کے تنوین کا ہے اور زبر کے تنوین کا حکم آگے بیان فرما رہے ہیں۔۱۲

[۱۷] اس فرق کی وجہ کہ زیر اور پیش کا تنوین تو وقف میں حذف ہو جاتا ہے اور زبر کا الف سے بدل جاتا ہے، رسم کی اتباع ہے، کیونکہ زیر اور پیش کا تنوین لکھا ہوا نہیں ہوتا اور زبر کا بصورتِ الف لکھا ہوتا ہے، مگر یہ فرق صرف وقف میں ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے ورنہ وصل میں تنوین خواہ زبر کا ہو اور خواہ زیر و پیش کا، ہر صورت میں پڑھا جاتا ہے جیسے بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اور فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ وغیرہ کا تنوین۔ پھر اگر اسکے بعد ہمزہ وصلی ہو تو نون

ہمزہ وصلی حذف ہو جائے گا اور یہ تنوین بسبب اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کے مکسور پڑھی جائے گی اور اکثر جگہ خلافِ قیاس[۱۸] چھوٹا نون لکھ دیتے ہیں مثل بِزِينَةِ نِ الْكَوَاكِبِ، خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ[۱۹]، خَبِيثَةِ نِ اجْتُثَّتْ، طُوًى ۝ نِ اذْهَبْ۔

فائدہ: [۳] تنوین سے ابتداء کرنا یا دہرانا درست[۲۰] نہیں۔

ساکن کی طرح تینوں قسم کی تنوین پر کسرہ ہی آتا ہے۔ زیر اور زبر کی مثالیں تو متن میں موجود ہی ہیں اور پیش کی مثالیں قَدِيْرُ ۝ نِ الَّذِيْ اور عَلِيْمُ ۝ نِ الَّذِيْ ہو سکتی ہیں۔۱۲

[۱۸] یعنی عثمانی رسم کے خلاف۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا نون ان مصاحف میں مرسوم نہیں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے حکم سے لکھے گئے تھے بلکہ بعد میں عام لوگوں کی سہولت کی خاطر اسکا لکھا جانا شروع ہوا۔ پس یہاں قیاس سے مراد رسم عثمانی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمّ۔۱۲

[۱۹] خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ اور اس جیسے دوسرے کلمات مثلاً فَخُوْرَا ۝ نِ الَّذِيْ اور قَوْمًا نِ اللّٰهُ وغیرہ میں بعض ناواقف لوگ وصل کی حالت میں نون مکسورہ سے پہلے الف بھی پڑھ دیتے ہیں جو صحیح نہیں کیونکہ ان میں جو الف لکھا ہوا ہے وہ اس نصبی تنوین ہی کی صورت ہے جس پر وصل میں اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کی وجہ سے کسرہ آجاتا ہے اور اسکا تلفظ زیر والے نون کی طرح ہو جاتا ہے، پس جب تنوین نون مکسور کی صورت میں ادا ہو گئی تو اب الف کے پڑھنے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ البتہ وقف میں یہی تنوین الف سے بدل جاتا ہے جیساکہ حاشیہ نمبر ۱۷ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ پس وقف میں تو الف پڑھا جاتا ہے اور وصل میں زیر والا نون۔ دونوں چیزیں ایک ہی حالت میں جمع نہیں ہوتیں۔ خوب سمجھ لو!۔۱۲

[۲۰] ابتداء واعادہ کا محل چونکہ کلمہ کا پہلا حرف ہوتا ہے اور تنوین کلمہ کے شروع میں نہیں آتا بلکہ آخر میں آتا ہے، اسلئے تنوین سے نہ ابتداء درست ہے اور نہ اعادہ۔

دوسری فصل: مدؔ کے بیان میں

مد دو قسم ہے: اصلی اور فرعی۔ مد اصلی اس کو کہتے ہیں کہ حروفِ مدّہ کے بعد نہ سکون ہو اور نہ[۲] ہمزہ ہو۔ مد فرعی اس کو کہتے ہیں کہ حروف مدّہ کے بعد سکون یا ہمزہ ہو[۳] اور یہ

حواشی فصل دوم

[۱] سابقہ مباحث کی طرح مد کے بارے میں بھی معلم التجوید میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ چنانچہ مد کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ، مد کی دونوں قسموں یعنی اصلی اور فرعی کی الگ الگ تعریف، اصلی کو اصلی اور فرعی کو فرعی کہنے کی وجہ، مد فرعی کی اجمالی اور تفصیلی قسمیں، ہر ہر قسم کی الگ الگ تعریف اور وجہ تسمیہ، حروفِ مدّہ میں مد فرعی کے سبب کیا کیا ہیں اور حروفِ لین میں کیا، ہر ہر مد کی مقدارِ کشش، مدوں میں قوی مد کونسا ہے اور ضعیف کونسا، جب قوی اور ضعیف جمع ہوں تو کونسی صورت جائز ہے اور کونسی ناجائز، یہ اور اس بحث سے متعلق دوسری ضروری باتیں وہاں کافی تفصیل کیساتھ بیان ہو چکی ہیں اسلئے اب زیرِ نظر حواشی میں صرف متن کے چیدہ چیدہ الفاظ کے ضمن میں ہی کچھ عرض کیا جائیگا۔ ۱۲

[۲] یعنی مد فرعی کے دو سببوں میں سے کوئی سا سبب بھی موجود نہ ہو، کیونکہ سکون اور ہمزہ یہ دونوں مد فرعی کے سبب ہیں۔ ۱۲

[۳] یعنی حرفِ مد کے بعد مد فرعی کا کوئی سبب موجود ہو، پس جہاں صرف محلِ مد ہی ہو اور سببِ مد نہ ہو جیسے وَاُوْتِیْنَا مِنْ وہاں صرف مد اصلی ہی ہوگا جس کی مقدار ایک الف ہے اور جہاں محلِ مد اور سببِ مد دونوں ہوں جیسے جَآءَ، مَآ اُنْزِلَ، آٰلْـٰٔنَ، دَآبَّةٍ، یَعْلَمُوْنَ ۝ اور مِنْ خَوْفٍ ۝ وغیرہ بحالتِ وقف تو وہاں مد اصلی سے متجاوز ہو کر مد فرعی بھی ہوگا۔ اور ہمزہ اور سکون کو مجوّدین اور قراء نے زیادتی علی القصر یعنی مد فرعی کیلئے جو سبب قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حرفِ مد کے بعد سکون کے آنے سے ساکنین کا اور حرفِ مد کے بعد ہمزہ کے آنے سے حرفِ ضعیف اور حرفِ قوی کا اجتماع ہو جاتا ہے جو اہلِ زبان کے نزدیک ثقیل سمجھا گیا ہے، بس اسی ثقل کے رفع کرنے کی غرض سے ان دونوں موقعوں میں مد کیا جاتا ہے۔ ۱۲

چار قسم[۴] ہے: متصل، منفصل، لازم اور عارض۔ یعنی حرفِ مدّہ کے بعد اگر ہمزہ آئے اور ایک کلمہ میں ہو تو اس کو مدّ متصل کہتے ہیں۔ اور اگر ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو تو اس کو مدّ منفصل کہتے ہیں۔ مثل[۵] جَآءَ، جِآیْءَ، سُوْٓءُ، فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ، قَالُوْٓا اٰمَنَّا، مَآ اَنْزَلَ۔

حرفِ مدّہ کے بعد جب سکونِ[۶] وقفی ہو مثل رَحِیْمْ ○ تَعْلَمُوْنْ ○ تُکَذِّبَانْ ○ کے تو اس کو مد عارض کہتے ہیں اور اس میں طول، توسط، قصر تینوں[۷] جائز ہیں اور جب حرفِ

[۴] مگر سببِ مدان چاروں میں دو ہی ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دو دو قسموں کیلئے سبب بنتا ہے۔ چنانچہ متصل اور منفصل ان دونوں میں تو مد کا سبب ہمزہ ہوتا ہے اور لازم و عارض میں سکون۔ پھر ہر سبب کی دو دو قسموں میں سے ایک ایک تو قوی ہے اور ایک ایک ضعیف۔ باقی وضاحت اس مسئلہ کی آئندہ فصل کے حواشی میں آئے گی، انشاء اللہ۔ ۱۲

[۵] ان امثلہ میں پہلی تین مثالیں مدّ متصل کی ہیں اور بعد والی تین مدّ منفصل کی۔ ۱۲

[۶] یعنی ایسا سکون جو وقف کی وجہ سے آیا ہو اور وصل میں وہ حرف متحرک پڑھا جاتا ہو۔ چنانچہ اس کی تمام مثالوں میں یہی بات پائی جاتی ہے کہ اگر تو ان پر وقف کیا جائے تب تو یہ حروف ساکن پڑھے جاتے ہیں ورنہ متحرک۔ ۱۲

[۷] یہاں یہ تینوں اسلئے جائز ہیں کہ تَعْلَمُوْنَ ○ اور تُکَذِّبَانِ ○ وغیرہ کی دو حالتیں ہیں: ایک موجودہ جس میں وقف کی وجہ سے حرفِ مد کے بعد سکون عارض ہو گیا ہے اور دوسری اصلی وصلی جس میں اسکے آخری حرف پر حرکت تھی، پس موجودہ حالت کا اعتبار کرتے ہوئے تو اس میں مدفرعی کو جائز رکھا گیا ہے اور اصلی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے اسکے ترک یعنی قصر کو۔ پھر مد فرعی کی مقداریں چونکہ دو ہیں:۔ (۱) طول (۲) توسط، اور یہاں سبب کی حیثیتیں بھی دو ہی ہیں:۔ ایک اسکا وجود اور دوسرا عارض ہونے کی وجہ سے اسکا ضعیف ہونا، اس لیے یہاں جائز بھی دونوں ہی مقداروں کو رکھا گیا ہے:۔

مدّہ کے بعد ایسا سکون ہو کہ کسی حالت[۸] میں حرفِ مدّہ سے جدا نہ ہو سکے اس کو مد لازم کہتے ہیں اور یہ چار قسم پر ہے۔ اس واسطے کہ اگر حرفِ مدّہ حروفِ مُقطّعات میں ہو تو حرفی کہتے ہیں ورنہ کلمی کہیں گے۔ پھر ہر ایک کلمی اور حرفی دو قسم پر ہے مثقل اور مخفف، اگر حرفِ مدّہ کے بعد مشدّد حرف ہے تو مثقل کہیں گے اور اگر محض سکون[۹] ہے تو مخفف ہو گی۔ مد لازم حرفی مثقل اور مد لازم حرفی مخفف کی مثال[۱۰] الٓمّٓ۝، الٓرٰ، الٓمّٓرٰ، كٓهٰيٰعٓصٓ۝، حٰمٓ۝ عٓسٓقٓ۝، حٰمٓ۝، طٰسٓ، طٰسٓمّٓ۝، نٓ، صٓ، قٓ، اور مد لازم کلمی مثقل کی مثال دَآبَّةٍ اور مد لازم کلمی مخفف کی مثال آٰلْـٰٔنَ۔

* نفسِ سبب کو مدنظر رکھتے ہوئے طول کو
* اور اسکے ضعف کا خیال کرتے ہوئے توسط کو۔

پس طول تو نفسِ سبب کے لحاظ سے ہے، توسط ضعفِ سبب کے لحاظ سے، اور قصر سبب کا اعتبار نہ کرنے کی بناء پر ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۸] یعنی نہ وصلاً نہ وقفاً۔ اور ایسے سکون کو جو حالین میں باقی رہے، "سکونِ لازم" کہتے ہیں۔ یہ مقابل ہے سکونِ وقفی کا، کیونکہ وہ تو صرف وقفاً ہی ثابت رہتا ہے اور یہ وقف میں بھی ثابت رہتا ہے اور وصل میں بھی۔ سکونِ لازم کی مثالیں آگے متن میں مد لازم کی مثالوں کے ضمن میں آرہی ہیں کیونکہ جہاں مد لازم ہو گا وہاں حرفِ مدّہ کے بعد سکونِ لازم بھی ضرور ہو گا۔۱۲

[۹] یعنی بعد والے حرف سے مل کر مشدّد نہ پڑھا جاتا ہو، محض سکون سے یہی مراد ہے۔۱۲

[۱۰] اگرچہ مؤلف رحمہ اللہ نے حرفی مثقل اور حرفی مخفف دونوں کی مثالیں اکٹھی درج فرما دی ہیں، لیکن ان میں مثقل کی مثالیں کونسی ہیں اور مخفف کی کونسی، اس بات کا سمجھنا کوئی مشکل چیز نہیں بلکہ بہت ہی آسان سی بات ہے کہ جہاں حرفِ مدّہ کے بعد حرفِ مشدّد ہے وہ تو مثقل ہے اور جہاں غیر مشدّد ہے وہ مخفف۔۱۲

اور جب واوٗ، یا یاء ساکن کے پہلے فتحہ ہو اور اسکے بعد ساکن حرف [11] ہو تو اس کو مد لین [12] کہتے ہیں اور اس میں قصر، توسط [13]، طول تینوں جائز ہیں۔ اور عینِ مریم اور عینِ شوریٰ میں

[11] مطلب یہ ہے کہ حرفِ لین کے بعد سکون ہو۔ کیونکہ جس واوٗ اور جس یاء ساکن سے پہلے فتحہ ہو اس کو واوٗ لین اور یاء لین کہتے ہیں۔ مؤلف رحمہ اللہ نے مختصر انداز کو چھوڑ کر تطویل کو جو اختیار کیا ہے تو اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ رسالہ ہذا میں اس سے پہلے واوٗ لین اور یاء لین کی تعریف نہیں گزری۔ کیونکہ اس رسالہ میں نہ تو مخارج کے بیان میں خلیل رحمہ اللہ کا مذہب اختیار کیا ہے کہ واوٗ اور یاء کو مدّہ اور لین میں تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ ہی لین کا ذکر صفات کے سلسلہ میں آیا ہے اور واوٗ لین اور یاء لین کی تعریف بیان کرنے کے یہی دو موقعے ہو سکتے تھے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

[12] پس جس طرح سببِ مد دو ہیں یعنی ہمزہ اور سکون، اسی طرح محلِ مد بھی دو ہی ہیں:۔ حرفِ مد اور حرفِ لین۔ مگر چونکہ سکون بہ نسبت ہمزہ کے قوی سبب ہے اسلئے یہ تو دونوں موقعوں میں سبب بنتا ہے، حرفِ مد میں بھی اور حرفِ لین میں بھی، اور ہمزہ چونکہ اس درجہ کا قوی نہیں اسلئے یہ حرفِ مد میں تو سبب بنتا ہے اور حرفِ لین میں نہیں بنتا، کیونکہ حرفِ لین مد کا ضعیف محل ہے، اس میں مدّیّت کا سبب وہی بن سکتا ہے جو قوی ہو، اسلئے ساکن کی تخصیص فرمائی۔

پھر جس طرح حرفِ مد کے بعد سکون کے آنے سے مد کی دو قسمیں بنتی ہیں:۔ لازم اور عارض، اسی طرح حرفِ لین میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اسکے بعد اگر تو سکونِ لازم ہے تو یہ مد لین لازم کہلائیگا اور اگر سکونِ عارض ہے تو اس کو مد لین عارض کہیں گے۔ مد لین لازم کی مثالیں تو سارے قرآن مجید میں صرف دو ہی ہیں یعنی عَین مریم اور عَین شوریٰ، کیونکہ حرفِ لین کے بعد سکونِ لازم صرف انہی دو حرفوں میں پایا گیا ہے، البتہ مد لین عارض کی مثالیں بہت ہیں جیسے مِنۡ خَوۡفٍ ○، وَالصَّیۡفِ ○، لَا ضَیۡرَ اور وَذَرُوا الۡبَیۡعَ وغیرہ میں بحالتِ وقف۔۱۲

[13] سبحان اللہ! کیا لطیف پیرائے میں یہ بات سمجھائی ہے کہ مد لین عارض میں مد عارض کے خلاف پہلا درجہ قصر کا ہے، پھر توسط کا اور پھر طول کا، کیونکہ وہاں تو ترتیبِ بیان اس طرح تھی:۔ طول، توسط، قصر اور یہاں اس طرح ہے:۔ قصر، توسط، طول۔ پس ترتیبِ بیان سے ان ہر دو

قصر نہایت ضعیف [۱۴] ہے اور طول افضل اور اولیٰ [۱۵] ہے۔

[۱] **فائدہ:** سورۂ آل عمران کا الٓمّٓ اَللّٰہُ وصل کی حالت میں "میم ساکن" اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کی وجہ سے مفتوح پڑھی جائے گی اور اَللّٰہُ کا ہمزہ نہ پڑھا جائے گا اور میم میں مد لازم ہے، اس وجہ سے وصل میں طول اور قصر دونوں [۱۶] جائز ہیں۔

[۲] **فائدہ:** حرفِ مدّہ جب موقوف ہو تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایک الف سے

مدوں کی ترتیبِ مراتب کا سمجھانا مقصود ہے، خوب سمجھ لو۔ البتہ عین شوریٰ اور عین مریم کے مدلین کا حکم اس عام قاعدہ سے مختلف ہے جس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔ ۱۲

[۱۴] عین مریم اور عین شوریٰ میں قصر اسلئے ضعیف ہے کہ اس میں سببِ مد یعنی سکون بوجہ لازم ہونے کے قوی ہے بخلاف مِنْ خَوْفٍ ۝ وغیرہ کے، کہ ان میں مد کا سبب بوجہ عارض ہونے کے ضعیف ہے۔ پس سبب کے قوی ہونے کی حالت میں تو مد فرعی کے ترک یعنی قصر کو ضعیف سمجھا گیا اور سبب کے ضعیف ہونے کی صورت میں اسکے ادا کرنے کو ضعیف قرار دیا گیا اور قصر کے ضعف کو لفظ "نہایت" کے ساتھ بیان فرمانے میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر یہاں ظاہراً بھی مناسب نہیں، کیونکہ جب عین میں قصر اور اسکے جانبین کے حروفِ مُقطّعات میں طول ہوگا تو اس صورت میں مناسبت اور یکسانی بھی نہیں رہے گی۔ ۱۲

[۱۵] مطلب یہ ہے کہ عین مریم اور شوریٰ میں قصر تو ضعیف ہے ہی اور باقی دو وجوہ یعنی طول و توسط میں سے بھی طول افضل اور اولیٰ ہے اور توسط کا درجہ اسکے بعد ہے۔ پس اس میں مراتب کی ترتیب مد عارض وقفی والی ہے نہ کہ مدلین عارض والی۔ اور طول کو توسط پر جو اوّلیت اور ترجیح ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس سے تمام حروفِ مُقطّعات کی مقدارِ کشش میں بالکل یکسانی رہتی ہے بخلاف توسط کے، کہ اسکے اختیار کرنے سے یکسانی باقی نہیں رہتی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

[۱۶] شروع سورۂ آلِ عمران کے الٓمّٓ ۝ میں بحالتِ وصل طول تو اس واسطے جائز ہے کہ اس کا سکون دوسرے حروفِ مُقطّعات کی طرح اصلی اور لازم ہے، گویا اس میں مد لازم ہے۔ اور قصر

زائد نہ ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ بعد حرفِ مدّہ کے ھاء یا ہمزہ[۱۶] نہ زائد ہو جاوے مثل قَالُوْا، فِیْ، اَعْمَالًاo جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ہو جاتا ہے۔

تیسری فصل: مقدار[۱] اور اَوْجُہِ مد کے بیان میں

مدعارض اور مدلین عارض میں تین وجہ ہیں:۔ طول، توسط، قصر، فرق[۲] اتنا ہے کہ

اسلئے جائز ہے کہ اس پر اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ کی وجہ سے حرکت آگئی ہے اور اب یہ مد اصلی کے حکم میں ہوگیا ہے۔ پس طول تو اصل کے لحاظ سے ہے اور قصر موجودہ صورت کے لحاظ سے اور توسط یہاں اسلئے جائز نہیں کہ یہ مد لازم ہے اور اس میں توسط ہوتا نہیں۔۱۲

[۱۷] حرفِ مدّہ کے موقوف علیہ ہونے کی صورت میں اسکے بعد ہمزہ اور ھاء کے پیدا ہونے کا احتمال زیادہ تر اسی وقت ہوتا ہے جب حرفِ مدّہ کو اس کی اصلی مقدار سے بڑھا دیا جاوے۔ اسلئے اگر اس سے پہلی والی ہدایت پر عمل کرنے یعنی مدّہ کو اس کی اصلی مقدار سے نہ بڑھانے کی عادت بنالی جائے تو یہ غلطی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اور مدّہ کی مقدار کو بڑھا دینے کی صورت میں ان حرفوں کے پیدا ہونے کا جو احتمال ہوتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وقف میں طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ سانس کسی حرفِ ساکن پر منقطع ہو، اور گو مدّہ بھی ساکن ہی ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ جوفی اور ہوائی ہے، اسلئے اس پر سانس کے انقطاع سے خصوصاً جبکہ اس کی مقدار اور بڑھ جائے، طبیعت مطمئن نہیں ہوتی۔ اور مخارج میں چونکہ سب سے پہلا مخرج ہمزہ اور ھاء کا ہی ہے اس لیے اگر خیال نہ رکھا جائے تو یہ حروف خود بخود ادا ہو جاتے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔

حواشی فصل سوم

[۱] مقدار کے معنیٰ اندازہ کے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ اندازے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں مد میں حروفِ مدّہ کو کتنا کھینچنا چاہیے جیسے ایک الف، دو الف اور تین الف وغیرہ وغیرہ۔ اور اَوْجُہ جمع ہے وجہ کی اور مراد اوجہ سے حروفِ مدّہ کے کھینچنے کے اندازوں اور ان کی مقداروں کے نام

مد عارض میں طول اولیٰ ہے، اس کے بعد توسط، اسکے بعد قصر کا مرتبہ ہے بخلاف مد لین عارض کے، کہ اس میں پہلا مرتبہ قصر کا ہے، اسکے بعد توسط کا، اسکے بعد طول کا۔ اب معلوم

ہیں جیسے طول، توسط، قصر۔ پس طول مد کی ایک وجہ، توسط دوسری وجہ اور قصر تیسری وجہ ہے اور یہ تینوں اوجہ مد کہلاتی ہیں۔ ان کی کشش اور کھینچنے کا جس تخمینہ سے اندازہ کیا جاتا ہے مثلاً فلاں کی مقدار ایک الف ہے اور فلاں کی دو الف اور فلاں کی اتنے الف، تو یہ ایک الف، دو الف اور اڑھائی الف وغیرہ اوجہ مد کی مقداریں ہیں، پس دوسری فصل میں تو مصنف رحمہ اللہ نے مد کی قسمیں اور ان کی تعریفیں بیان کی تھیں اور اب تیسری فصل میں یہ بیان فرمائیں گے کہ ان مدوں میں کتنی کتنی وجوہ ہیں اور ہر وجہ کی مقدارِ کشش کیا ہے تو گویا یہ فصل فصلِ سابق کا تتمہ ہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ "اوجہ" مطلق مد کے اعتبار سے ہیں صرف مد فرعی کی نہیں ہیں، کیونکہ مد فرعی میں تو صرف دو وجوہ ہی ہیں یعنی طول و توسط۔ اور قصر نام ہے مد فرعی کے ترک اور مد اصلی کی مقدارِ کشش کا، پس متن میں جہاں یہ کہا جائیگا کہ فلاں مد فرعی میں تین وجوہ ہیں تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ اس مد فرعی کی دونوں وجوہ بھی جائز ہیں اور اسکا ترک یعنی صرف مد اصلی بھی۔ خلاصہ یہ کہ قصر داخل فی الاوجہ تو ہے لیکن مد فرعی سے خارج ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

۲ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ حروفِ مدّہ میں مد اِصالتاً ہوتا ہے یعنی یہ کہ ان کی ذات ہی مد کو چاہتی ہے بخلاف حروفِ لین کے، کہ ان میں مد تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان کی ذات میں مدّیت نہیں ہوتی، اسلئے حرفِ مد کے بعد سببِ مد کے پائے جانے کی صورت میں تو پہلا درجہ مد کی بڑی مقدار یعنی طول کو دیا گیا، پھر اسکے بعد چھوٹی مقدار یعنی توسط کو اور پھر سب سے آخر میں اس کے ترک یعنی قصر کو جائز رکھا گیا بخلاف حرفِ لین کے، کہ اسکے بعد سببِ مد پائے جانے کی صورت میں پہلا درجہ ترکِ مد کو دیا گیا، پھر مد کی چھوٹی مقدار کو اور پھر سب سے آخر میں بڑی مقدار کو۔ ہاں! ایک باریک فرق اور یاد رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ لین کے قصر کی مقدار مدّہ کے قصر کی مقدار سے کم ہوتی ہے اور وجہ اس کی بھی وہی ہے کہ لین کی ذات میں مدّیت نہیں بخلاف مدّہ کے، کہ اس کی ذات ہی میں مدّیت ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ۱۲

کرنا چاہیے کہ مقدارِ طول کی کیا ہے؟ طول کی مقدار تین الف ہے اور توسط کی مقدار دو الف ہے۔ اور ایک قول[۳] میں طول کی مقدار پانچ الف اور توسط کی مقدار تین الف ہے اور قصر کی مقدار دونوں قولوں میں ایک[۴] ہی الف ہے۔

۱ فائدہ: مد لازم کی چاروں قسموں[۵] میں طول علی التساوی[۶] ہوگا اور بعض[۷] کے نزدیک مثقل میں زیادہ مد ہے اور بعض کے نزدیک مخفف میں زیادہ مد ہے مگر جمہور کے نزدیک

---

۳ پس عمل خواہ پہلے قول پر کیا جائے اور خواہ دوسرے پر، طول کی مقدار توسط سے بہر حال زیادہ ہوگی۔ کیونکہ جس قول میں توسط کی مقدار تین الف ہے اس میں طول کی مقدار پانچ الف ہے اور جس میں توسط کی مقدار دو الف ہے اس میں طول کی مقدار تین الف ہے۔۱۲

۴ مطلب یہ ہے کہ طول اور توسط کے بارے میں تو دو دو قول ہیں مگر قصر کی مقدار قطعی طور پر متعین ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ قصر نام ہے حروفِ مدہ کی اس مقدار کا جس پر ان کی ذات موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقدار میں کمی یا بیشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بخلاف طول اور توسط کے، کہ یہ مد زائد کی مقداریں ہیں جن میں کمی بیشی سے حروف کی ذات میں نقصان یا زیادتی واقع نہیں ہوتی۔ خوب سمجھ لو!۔۱۲

۵ یعنی ۱ کلمی مثقل ۲ کلمی مخفف ۳ حرفی مثقل ۴ حرفی مخفف۔۱۲

۶ یعنی برابر کا۔ نہ کسی میں کم، نہ کسی میں زیادہ۔۱۲

۷ مثقل اور مخفف کی مقدار میں کمی بیشی کا یہ اختلاف غالباً سببِ مد کی مختلف حیثیتوں کو مدنظر رکھنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ جس نے مثقل میں زیادہ مد کہا ہے تو اس نے غالباً مشدّد کو مخفف پر اسلئے ترجیح دی ہے کہ وہ ساکن جو دوسرے حرف سے مل کر مشدّد پڑھا جاتا ہے، اس میں بہ نسبت سکونِ مخفف کے اتصالِ عضوین دیر تک رہتا ہے اور جس نے مخفف میں زیادہ کہا ہے تو اس نے غالباً یہ خیال کیا ہے کہ اس میں حرف ساکن کی اپنی مستقل حیثیت ہوتی ہے اور مثقل کی طرح دوسرے حرف میں مدغم ہو کر ادا نہیں ہوتا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔۱۲

تساوی[۸] ہے۔

۲ **فائدہ:** حرفِ موقوف مفتوح کے قبل جب حرفِ مدّہ یا حرفِ لین ہو مثل عٰلَمِیْنَ، لَاضَیْرَ تو تین[۹] وجہ وقف میں ہوں گی:۔ طول مع الاسکان، توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان، اور اگر حرفِ موقوف مکسور ہے تو وجہ عقلی چھ نکلتی ہیں[۱۰]۔ اسمیں سے چار جائز ہیں: طول توسط قصر مع الاسکان، قصر مع الروم۔ اور طول و توسط مع الروم غیر جائز ہے، اسلئے کہ مدّ[۱۱] کے واسطے بعد حرفِ مدہ کے سکون چاہیے اور رَوم کی حالت میں سکون نہیں[۱۲] ہوتا بلکہ حرف متحرک ہوتا ہے اور اگر حرفِ موقوف مضموم ہے مثل نَسْتَعِیْنُ کے تو ضربی عقلی وجہیں نو ہیں[۱۳]: طول

۸ یعنی برابر اور ایک جیسی۔ اسلئے کہ جمہور نے اس باریک فرق کو اہمیت نہیں دی، بلکہ دونوں قسم کے سکون کو ایک ہی حیثیت دیتے ہوئے مد کی مقدار برابر رکھی ہے۔۱۲

۹ کیونکہ یہاں موقوف علیہ مفتوح ہے اور اس صورت میں وقف صرف ایک ہی کیفیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے یعنی بالاسکان، اسلئے یہاں وجوہ صرف حرفِ مد کی مقدار ہی کے مراتب سے پیدا ہوں گی اور وہ تین ہی ہیں۔۱۲

۱۰ کیونکہ یہاں وقف دو طرح سے ہو سکتا ہے:۔ بالاسکان اور بالروم، اور ہر ایک کے ساتھ مد کی تین تین وجوہ پڑھی جا سکتی ہیں۔ باقی ان چھ میں سے جائز کتنی ہیں اور ناجائز کتنی، اسکی تفصیل متن میں موجود ہے۔۱۲

۱۱ یعنی مد فرعی کے واسطے، اور مد سے مراد یہاں مد فرعی ہی ہے اور طول توسط اسی کی دو مقداروں کے نام ہیں اور سکون کی ضرورت بھی انہی دو کیلئے ہوتی ہے۔۱۲

۱۲ اگرچہ رَوم کی حالت میں موقوف علیہ کی حرکت پوری نہیں پڑھی جاتی، لیکن عضوین میں جدائی ہو جانے کے سبب سکون بھی باقی نہیں رہتا، اسلئے اس حالت میں طول توسط جو موقوف علی السبب ہیں، جائز نہیں رہتے۔۱۲

۱۳ کیونکہ یہاں وقف تین طرح سے کیا جا سکتا ہے اور ہر طریقہ کیساتھ مد کی تین تین وجوہ پڑھی

توسط قصر مع الاسکان، طول توسط قصر مع الاشمام، قصر مع الروم، یہ سات وجہیں جائز ہیں اور طول توسط مع الروم غیر جائز ہیں جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا۔

۳ **فائدہ:** جب مد عارض یا مدلین کئی جگہ ہوں تو ان میں تساوی[۱۴] اور توافق کا خیال رکھنا چاہیے یعنی اگر ایک جگہ مد عارض میں طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی طول کیا جائے، اگر توسط کیا ہے تو دوسری جگہ بھی توسط کرنا چاہیے، اگر قصر کیا ہے تو دوسری جگہ بھی قصر کرنا چاہیے۔ ایسا ہی مدلین بھی جب کئی جگہ ہوں تو توافق ہونا چاہیے اور جیسا کہ طول توسط میں توافق ہونا چاہیے، ایسا ہی مقدارِ طول توسط میں بھی توافق ہونا چاہیے[۱۵]۔ مثلاً اعوذ اور بسملہ سے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تک فصلِ کل کی حالت میں ضربی وجہیں اڑتالیس[۴۸] نکلتی ہیں[۱۶]:۔

جا سکتی ہیں، پس تین کو تین سے ضرب دینے سے نو وجوہ بنتی ہیں۔ ان میں بھی جائز و ناجائز کی تفصیل متن میں موجود ہے۔ باقی رہا ضرب کا مطلب اور یہ کہ ضربی وجوہ سے کس قسم کی وجوہ مراد ہیں؟ سو اس سب کی وضاحت حاشیہ نمبر ۱۶ کے ضمن میں آرہی ہے۔ اور ضربی اور عقلی دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔۱۲

۱۴ یعنی برابری اور مطابقت۔۱۲

۱۵ یعنی اوجہ مد کی طرح مقدارِ اوجہ میں بھی برابری اور مساوات کا خیال رکھنا چاہیے۔ پس اگر پہلی جگہ پانچ الفی طول کیا ہے تو باقی جگہوں میں بھی پانچ الفی ہی کرنا چاہیے، اگر تین الفی کیا ہے تو باقی موقعوں میں بھی تین الفی کرنا چاہیے اور یہی مساوات اور برابری توسط کی دونوں مقداروں میں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔۱۲

۱۶ اڑتالیس[۴۸] کا عدد پڑھتے ہی طلباء کے دماغوں میں ان وجوہ کے بارے میں تشویش کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ موقوف علیہ تو صرف تین ہوں اور وجوہ اڑتالیس بن جائیں اور وہ اپنے آپ کو دلدل میں پھنسے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ طلباء عام طور پر "ضرب" کے معنیٰ اور اس کی حقیقت سے ناواقف ہوتے

==========================

ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے تو ان کو یہ غلطی لگتی ہے کہ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ضرب کے معنیٰ ایک چیز کے دوسری چیز میں ملانے کے ہیں اور پھر اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ آخر یہ کیا معمہ ہے کہ چار کو چار سے ملانے پر سولہ اور سولہ کو تین سے ملانے پر اڑتالیس بن گئے؟ چار کو چار میں ملانے سے آٹھ اور آٹھ کو تین میں ملانے سے گیارہ ہونے چاہئیں!!! بس یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس کی وجہ سے طلباء ان وجوہ کو سمجھنے سے عام طور پر قاصر رہتے ہیں، کیونکہ حساب کے قاعدہ کی رو سے جمع اور ضرب میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور علم حساب کے دو الگ الگ قاعدے ہیں، اسلئے پہلے تو یہاں جمع اور ضرب کا فرق بیان کیا جاتا ہے اور پھر ایک جدول میں ان اڑتالیس ضربی وجوہ کو دکھا کر ان کے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ ضرب کا مطلب سمجھ لینے اور پھر اس جدول کا بغور مطالعہ کر لینے کے بعد اس مقام کے بارے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہ جائیگا وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ۔۱۲

✽ دیکھیے! ایک تو ہے ایک عدد کو دوسرے عدد کے ساتھ ملا کر دونوں کا مجموعی شمار نکالنا جیسے تین اور چار، کہ ان دونوں عددوں کا مجموعی شمار سات نکلتا ہے، اور جیسے آٹھ اور نو کہ ان کا مجموعی شمار سترہ نکلتا ہے، یہ تو ہے جمع۔

✽ اور ایک ہے ایک ہی عدد کو کئی گُنا کرنا! جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو عددوں کو ذکر کر کے ان میں سے پہلے کو دوسرے کے شمار کے برابر کئی گُنا کیا جاتا ہے، اسے ضرب کہتے ہیں۔

مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ دو کو چار سے ضرب دو تو اسکا یہ مطلب ہوتا ہے کہ دو کو چار گُنا کر دو جس سے ضربی شمار آٹھ نکل آتا ہے، پس دو کو چار میں، یا چار کو دو میں جمع کرنے سے تو ان دونوں عددوں کا مجموعی شمار چھ نکلے گا اور دو کو چار سے یا چار کو دو سے ضرب دینے سے ضربی شمار یعنی حاصلِ ضرب آٹھ نکلے گا۔ ایسے ہی چار کو چار سے ضرب دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ چار کو چار گُنا کر دو، یہ نہیں کہ چار کو چار میں ملا دو، کیونکہ چار کو چار میں ملانے سے تو مجموعی شمار نکلے گا یعنی آٹھ بن جائیں گے اور چار کو چار سے ضرب دینے سے ضربی شمار نکلے گا یعنی سولہ بن جائیں گے۔

ab یہ سمجھو کہ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ اور اَلْعٰلَمِیْنَ ان تینوں کی ضربی وجوہ اڑتالیس[۴۸] اس طرح بنتی ہیں کہ پہلے تو اَلرَّجِیْمِ کی چار وجوہ جائزہ کو اَلرَّحِیْمِ کی چار وجوہ سے ضرب دیتے ہیں جس سے "چار" چار گُنا ہو کر ضربی شمار کے حساب سے سولہ[۱۶] وجوہ بن جاتی ہیں اور پھر ان سولہ کو اَلْعٰلَمِیْنَ کی تین وجوہ سے ضرب دیتے ہیں جس سے یہ سولہ تین گُنا ہو کر اڑتالیس ہو جاتی ہیں، پس یہ کہنا کہ اَلرَّجِیْمِ کی چار وجوہ کو اَلرَّحِیْمِ کی چار وجوہ سے ضرب دو تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں کو اس طرح پڑھو: کہ اَلرَّجِیْمِ کی چار وجوہ میں سے ہر ایک کے ساتھ اَلرَّحِیْمِ کی چاروں وجوہ یکے بعد دیگرے پڑھ جاؤ۔

اور ایسے ہی اگر یہ کہا جائے کہ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ کی سولہ وجوہ کو اَلْعٰلَمِیْنَ کی تین وجوہ سے ضرب دو تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے تو ان سولہ کو اَلْعٰلَمِیْنَ کے طول کیساتھ پڑھو، پھر توسط کے ساتھ اور پھر قصر کے ساتھ۔ پس سولہ طول کے ساتھ، سولہ توسط کے ساتھ اور سولہ قصر کے ساتھ، یہ تین سولہ مل کر اڑتالیس[۴۸] ہو گئے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ سے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تک فصلِ کل کی حالت میں تین موقوف علیہ ہیں: اَلرَّجِیْمِ ○ اَلرَّحِیْمِ ○ اَلْعٰلَمِیْنَ ○ اور ظاہر ہے کہ اَلرَّجِیْمِ میں اوجہ مد اور کیفیاتِ وقف دونوں کے لحاظ سے وجوہ جائزہ چار نکلتی ہیں:۔ ① طول مع الاسکان ② توسط مع الاسکان ③ قصر مع الاسکان ④ قصر مع الروم۔ کیونکہ اسکان کے ساتھ تو مد کی تینوں وجوہ جائز ہیں اور رَوم کے ساتھ صرف قصر ہی ہو سکتا ہے اور یہی چاروں اَلرَّحِیْمِ میں بھی ہیں، پس دونوں کی ضربی وجوہ سولہ ہو گئیں۔ اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں چونکہ وقف صرف اسکان ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے کسی دوسری کیفیت کیساتھ نہیں ہو سکتا، اسلئے اس میں وجوہ صرف تین ہی ہیں یعنی طول، توسط، قصر مع الاسکان۔ پس اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ کی سولہ ضربی وجوہ کو اَلْعٰلَمِیْنَ کی تین سے ضرب دینے پر اڑتالیس وجوہ ہو جاتی ہیں۔

اس تفصیل کی عملی صورت یہ ہے کہ: اَلرَّجِیْمِ کی چاروں وجوہ میں سے ہر ایک کے ساتھ

اَلرَّحِیۡمِ کی چار چار وجوہ اس طرح پڑھو کہ پہلے تو اَلرَّحِیۡمِ کے طول مع الاسکان کیساتھ اَلرَّحِیۡمِ میں ① طول مع الاسکان ② توسط مع الاسکان ③ قصر مع الاسکان ④ قصر مع الروم پڑھو۔ پھر دوسری بار اَلرَّحِیۡمِ میں توسط مع الاسکان کرو اور اَلرَّحِیۡمِ میں وہی چار وجوہ مذکورہ علی الترتیب پڑھو۔ پھر تیسری بار اَلرَّحِیۡمِ میں قصر مع الاسکان کرو اور اَلرَّحِیۡمِ میں وہی چار وجوہ اسی ترتیب کے موافق پڑھو۔ اور پھر چوتھی بار اَلرَّحِیۡمِ میں قصر مع الروم کرو اور اَلرَّحِیۡمِ میں وہی چار وجہیں پڑھو۔ یہ کل سولہ وجوہ ہوگئیں جو اَلرَّحِیۡمِ کی چار کو صرف اَلرَّحِیۡمِ ہی کی چار سے ضرب دینے پر پیدا ہوگئیں ہیں۔

اب آگے بڑھو اور ان سولہ کو اَلۡعٰلَمِیۡنَ کی تین کیساتھ یکے بعد دیگرے پڑھ کر اڑتالیس پوری کرو۔ وہ اس طرح کہ پہلے تو انہی سولہ کو اسی ترتیب کے ساتھ پڑھو اور اَلۡعٰلَمِیۡنَ میں ہر مرتبہ طول ہی کرتے رہو۔ پھر یہی سولہ وجوہ اسی ترتیب کے ساتھ دوبارہ پڑھو اور اس مرتبہ اَلۡعٰلَمِیۡنَ میں توسط کرتے رہو تو یہ کل بتیس[۳۲] ہو جائیں گی۔ پھر تیسری مرتبہ انہی وجوہ کو اور اسی ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے پڑھو اور اس دفعہ اَلۡعٰلَمِیۡنَ میں قصر کرتے جاؤ، پس یہ اڑتالیس ہو جائیں گی۔ اب ذیل کے نقشوں کو بغور دیکھو! امید ہے کہ اس سے ان اڑتالیس ضربی وجوہ کے سمجھنے میں تمہیں بہت مدد ملے گی۔

ان نقشوں کو اسطرح پیش کیا گیا ہے کہ پہلے تو ایک چھوٹے نقشہ میں اَلرَّحِیۡمِ کی چاروں وجوہ اَلرَّحِیۡمِ کے طول مع الاسکان کیساتھ دکھائی ہیں، پھر دوسرے نقشہ میں توسط مع الاسکان کیساتھ، پھر تیسرے میں قصر مع الاسکان کیساتھ اور پھر چوتھے میں قصر مع الرّوم کیساتھ دکھائی ہیں۔

پھر پانچویں نقشہ میں ان سولہ کو ایک ہی بڑے نقشہ میں اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس مرتبہ اَلۡعٰلَمِیۡنَ کو بھی شامل کیا گیا ہے اور اَلرَّحِیۡمِ، اَلرَّحِیۡمِ کی ان سولہ وجوہ میں سے ہر ایک کیساتھ اَلۡعٰلَمِیۡنَ میں طول ہی دکھایا ہے، پھر چھٹے نقشہ میں یہی سولہ اَلۡعٰلَمِیۡنَ کے توسط کیساتھ اور پھر ساتویں نقشہ میں اَلۡعٰلَمِیۡنَ کے قصر کے ساتھ دکھائی گئی ہیں:۔

۱ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ کی پہلی چار وجوہ

نمبر	اَلرَّجِیْمِ ○	اَلرَّحِیْمِ ○
۱	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان
۲	طول مع الاسکان	توسط مع الاسکان
۳	طول مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴	طول مع الاسکان	قصر مع الروم

غور کرو کہ ان چاروں وجوہ میں اَلرَّجِیْمِ تو ایک ہی حالت پر رہا، نہ مد کی وجہ بدلی ہے اور نہ وقف کی کیفیت، لیکن اَلرَّحِیْمِ میں چار تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں، چنانچہ پہلے تو اس میں طول مع الاسکان ہوا ہے، پھر توسط مع الاسکان، پھر قصر مع الاسکان اور پھر قصر مع الروم، پس پہلی تین تبدیلیاں تو اوجہ مد کے بدل جانے سے ہوئی ہیں اور چوتھی تبدیلی کیفیتِ وقف کے بدل جانے سے۔

۲ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ کی دوسری چار وجوہ

نمبر	اَلرَّجِیْمِ ○	اَلرَّحِیْمِ ○
۱	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان
۲	توسط مع الاسکان	توسط مع الاسکان
۳	توسط مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴	توسط مع الاسکان	قصر مع الروم

ان چار وجوہ میں بھی غور کرو گے تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ اَلرَّجِیْمِ تو چاروں وجوہ میں ایک ہی حالت پر رہا ہے اور اَلرَّحِیْمِ میں پہلے کی طرح تبدیلی ہوتی رہی۔

۳ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ کی تیسری چار وجوہ

نمبر	اَلرَّجِیْمِ ○	اَلرَّحِیْمِ ○
۱	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان
۲	قصر مع الاسکان	توسط مع الاسکان
۳	قصر مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴	قصر مع الاسکان	قصر مع الروم

ان میں بھی پہلے اور دوسرے نقشہ کی طرح اَلرَّجِیْمِ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور اَلرَّحِیْمِ میں پہلے کی طرح چار تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

۴ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ کی چوتھی چار وجوہ

نمبر	اَلرَّجِیْمِ ○	اَلرَّحِیْمِ ○
۱	قصر مع الروم	طول مع الاسکان
۲	قصر مع الروم	توسط مع الاسکان
۳	قصر مع الروم	قصر مع الاسکان
۴	قصر مع الروم	قصر مع الروم

ان میں بھی پہلی تین کی طرح تبدیلی صرف اَلرَّحِیْمِ میں ہوئی ہے اور اَلرَّجِیْمِ چاروں وجوہ میں ایک ہی حالت پر رہا، یہاں تک سولہ وجوہ ہوگئیں۔ اب ان سولہ وجوہ کو ایک ہی نقشہ میں دیکھو! اس میں اَلْعٰلَمِیْنَ کو بھی شامل کیا گیا ہے اور اس کی کیفیت بھی دکھائی گئی ہے تو گویا یہ سولہ وجوہ کا مکمل نقشہ ہے۔

۵ اَلْعٰلَمِیْنَ کے طول والی سولہ وجوہ کا نقشہ

نمبر	اَلرَّحِیْمِ ○	اَلرَّحِیْمِ ○	اَلْعٰلَمِیْنَ ○
۱	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان
۲	طول مع الاسکان	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان
۳	طول مع الاسکان	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان
۴	طول مع الاسکان	قصر مع الروم	طول مع الاسکان
۵	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان
۶	توسط مع الاسکان	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان
۷	توسط مع الاسکان	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان
۸	توسط مع الاسکان	قصر مع الروم	طول مع الاسکان
۹	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان
۱۰	قصر مع الاسکان	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان
۱۱	قصر مع الاسکان	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان
۱۲	قصر مع الاسکان	قصر مع الروم	طول مع الاسکان
۱۳	قصر مع الروم	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان
۱۴	قصر مع الروم	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان
۱۵	قصر مع الروم	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان
۱۶	قصر مع الروم	قصر مع الروم	طول مع الاسکان

امید ہے کہ اس نقشہ کے دیکھنے سے اَلْعٰلَمِیْنَ کے طول والی سولہ وجوہ خوب سمجھ میں آگئی ہونگی
اب پھر انہی سولہ وجوہ کو اسی ترتیب کے موافق پڑھو اور اس مرتبہ ہر وجہ کے ساتھ اَلْعٰلَمِیْنَ میں

توسط مع الاسکان پڑھو اور پھر تیسری بار انہی سولہ وجوہ کو بالترتیب پڑھو اور اس مرتبہ اَلْعٰلَمِیْنَ میں قصر مع الاسکان کرو۔ طلباء کی آسانی کے پیش نظر ان بتیس ۳۲ وجوہ کو بھی دو نقشوں میں دکھایا جاتا ہے:۔

⑥ اَلْعٰلَمِیْنَ کے توسط والی سولہ وجوہ کا نقشہ

نمبر	اَلرَّجِیْمِ ○	اَلرَّحِیْمِ ○	اَلْعٰلَمِیْنَ ○
۱۷	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان	توسط مع الاسکان
۱۸	...اسکان	توسط مع الاسکان	توسط مع الاسکان
۱۹	طول...	قصر مع الاسکان	توسط مع الاسکان
۲۰	طول مع الاسـ...	قصر مع الروم	توسط مع الاسکان
۲۱	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان	توسط مع الاسکان
۲۲	...اسکان	توسط مع الاسکان	...اسکان
۲۳	توسط...	قصر مع الاسکان	تو...سکان
۲۴	توسط مع الاسـ...	قصر مع الروم	تو...سکان
۲۵	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان	توسط...کان
۲۶	...سکان	توسط مع الاسکان	توسط...ن
۲۷	قصر...	قصر مع الاسکان	توسط...
۲۸	قصر مع الاسـ...	قصر مع الروم	توسط مع الا...ن
۲۹	قصر مع الروم	طول مع الاسکان	توسط مع الا...
۳۰	...م	توسط مع الاسکان	توسط مع الا...
۳۱		قصر مع الاسکان	توسط مع الا...
۳۲		قصر مع الروم	

طول مع الاسکان — توسط مع الاسکان — قصر مع الاسکان — قصر مع الروم — توسط مع الاسکان

۷ اَلْعٰلَمِیْنَ کے قصر والی سولہ وجوہ کا نقشہ

نمبر	اَلرَّجِیْمِ	اَلرَّحِیْمِ	اَلْعٰلَمِیْنَ
۳۳	طول مع الاسکان	طول مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۳۴	طول مع الاسکان	توسط مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۳۵	طول مع الاسکان	قصر مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۳۶	طول مع الاسکان	قصر مع الروم	قصر مع الاسکان
۳۷	توسط مع الاسکان	طول مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۳۸	توسط مع الاسکان	توسط مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۳۹	توسط مع الاسکان	قصر مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴۰	توسط مع الاسکان	قصر مع الروم	قصر مع الاسکان
۴۱	قصر مع الاسکان	طول مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴۲	قصر مع الاسکان	توسط مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴۳ ج	قصر مع الاسکان	قصر مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴۴ ج	قصر مع الاسکان	قصر مع الروم	قصر مع الاسکان
۴۵	قصر مع الروم	طول مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴۶	قصر مع الروم	توسط مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴۷ ج	قصر مع الروم	قصر مع الاسکان	قصر مع الاسکان
۴۸ ج	قصر مع الروم	قصر مع الروم	قصر مع الاسکان

اس طرح پر کہ رَجِیْمِ کے اوجہ ثلاثہ[۱۷] مع الاسکان اور قصر مع الروم کو رَحِیْمِ کے مدودِ ثلاثہ اور قصر مع الروم میں ضرب دینے سے سولہ وجہیں ہوتی ہیں۔ اور ان سولہ کو اَلْعٰلَمِیْنَ کے اوجہ ثلاثہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس[۴۸] وجہیں ہوتی ہیں، جن میں چار[۱۸] بالاتفاق جائز ہیں یعنی اَلرَّجِیْمِ، اَلرَّحِیْمِ، اَلْعٰلَمِیْنَ میں طول مع الاسکان، توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان۔ رَجِیْمِ، رَحِیْمِ میں قصر مع الروم اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں قصر مع الاسکان۔ اور بعض نے رَجِیْمِ، رَحِیْمِ کے قصر مع الروم کی حالت میں اَلْعٰلَمِیْنَ میں طول توسط کو جائز[۱۹] رکھا ہے۔ باقی بیالیس[۲۰] وجہیں بالاتفاق

[۱۷] یعنی تین وجوہ۔ اور مراد اس سے مد کی تین وجوہ ہیں یعنی طول، توسط، قصر اور مدودِ ثلاثہ سے بھی مد کی یہی تین وجوہ مراد ہیں، پس اوجہ ثلاثہ سے تو اَلرَّجِیْمِ کی تین وجوہ مراد ہیں اور مدودِ ثلاثہ سے اَلرَّحِیْمِ کی تین وجوہ۔ اور "مدود" جمع مد کی ہے اور مد یہاں بمعنیٰ "وجہ مد" ہے۔ ۱۲

[۱۸] ان چار کے جائز ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان میں وجوہ مد کے اعتبار سے تساوی اور توافق ہے۔ چنانچہ پہلی وجہ میں تینوں میں طول، دوسری میں تینوں میں توسط، تیسری اور چوتھی میں تینوں میں قصر ہے۔ اور گو چوتھی میں اتنا فرق ضرور ہے کہ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ میں تو رَوم ہے اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں اسکان، مگر اس کا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ کسی وجہ کے صحیح اور جائز ہونے کیلئے بس اتنا ہی ضروری ہے کہ اوجہ مد میں برابری ہو۔ کیفیتِ وقف کے لحاظ سے مساوات ضروری نہیں، اور پھر یہاں تو عدمِ مساوات ہے بھی ناگزیر، کیونکہ اَلْعٰلَمِیْنَ میں رَوم ہو ہی نہیں سکتا۔ ۱۲

[۱۹] اس لیے کہ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ میں رَوم کی وجہ سے طول و توسط ہو ہی نہیں سکتے، پس اس مجبوری کی بناء پر مساوات کے باقی نہ رہنے کے باوجود بھی یہ دو وجوہ بعض کے نزدیک جائز سمجھی گئی ہیں، اور بعض نے اس ظاہری عدمِ مساوات کو سامنے رکھ کر باوجود مجبوری کے بھی ناجائز ہی کہا ہے۔ ۱۲

[۲۰] مگر ان بیالیس میں سے نمبر ۴۴ و ۴۷ یعنی اَلرَّجِیْمِ کے قصر مع الاسکان کیساتھ اَلرَّحِیْمِ

غیر جائز ہیں۔ اور فصلِ اوّل وصلِ ثانی کی صورت میں عقلی وجہیں[21] بارہ نکلتی ہیں۔ اس طرح پر کہ رَجِیۡمِ کے مدودِ ثلاثہ اور قصر مع الروم کو اَلۡعٰلَمِیۡنَ کے اوجہ ثلاثہ میں ضرب دینے

کا قصر مع الرّوم اور اسکے برعکس یعنی اَلرَّجِیۡمِ کے قصر مع الرّوم کے ساتھ اَلرَّحِیۡمِ کا قصر مع الاسکان کو ناجائز کہنے میں نظر ہے، کیونکہ ان میں اوجہ مد کے اعتبار سے مساوات ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ کیفیتِ وقف دونوں میں ایک نہیں اور کسی وجہ کے جائز ہونے کیلئے کیفیتِ وقف میں اتحاد شرط نہیں۔ چنانچہ آگے خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی وجہ کے جائز ہونے کیلئے جن چیزوں کو شرط قرار دیا ہے، ان میں کیفیتِ وقف کے اتحاد کا کوئی ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ حاشیہ نمبر ۲۹ کے ضمن میں اسکی وضاحت آرہی ہے۔ یوں بھی اگر اس ضابطہ کو تسلیم کرلیا جائے اور ان وجوہ کو بھی ناجائز ہی قرار دیا جائے جن میں وقف کی کیفیت ایک نہیں رہتی تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ قاری وقف کے بارے میں بھی شروعِ تلاوت سے آخر تک ایک ہی کیفیت پر رہنے کا پابند ہے۔ اس میں علاوہ تکلّف کے قاری کو مشکل کا بھی سامنا کرنا پڑے گا، خصوصاً روم اور اشمام کے بارے میں تو یہ التزام اور بھی مشکل ہے۔ پھر یہ کہ اس ضابطہ کے تسلیم کر لینے کے بعد اَلرَّجِیۡمِ اور اَلرَّحِیۡمِ کے قصر مع الرّوم کے ساتھ اَلۡعٰلَمِیۡنَ کے قصر مع الاسکان کو جائز کہنا بھی مشکل ہو جائیگا۔ بلکہ بعض حضرات نے تو نمبر ۴ و ۱۳ یعنی اَلرَّجِیۡمِ اور اَلۡعٰلَمِیۡنَ دونوں کے طول اور توسط کے ساتھ اَلرَّحِیۡمِ میں قصر مع الرّوم اور نمبر ۲۴ و ۳۰ یعنی اَلرَّجِیۡمِ کے قصر مع الرّوم کیساتھ اَلرَّحِیۡمِ اور اَلۡعٰلَمِیۡنَ دونوں میں طول اور توسط کو بھی جائز بتایا ہے۔ (دیکھو تسہیل القواعد سبق نمبر ۱۵ مصنفہ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی)

[21] کیونکہ اس صورت میں موقوف علیہ صرف دو ہی رہ جاتے ہیں اَلرَّجِیۡمِ اور اَلۡعٰلَمِیۡنَ پس پہلے کی چار میں سے ہر ایک کیساتھ اَلۡعٰلَمِیۡنَ میں تین وجوہ پڑھی جائیں تو چار کو تین سے ضرب دینے پر بارہ ہی بنتی ہیں۔ اور وصلِ اوّل فصلِ ثانی کو بھی بعینہٖ اسی طرح سمجھنا چاہیے، کیونکہ اسمیں بھی موقوف علیہ دو ہی ہیں اور دونوں میں پہلے موقوف علیہ کی حالت بھی ایک ہی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اسمیں تو پہلا موقوف علیہ اَلرَّجِیۡمِ ہے اور دوسرے میں اَلرَّحِیۡمِ۔ ۱۲

سے بارہ وجہیں ہوتی ہیں۔ ان میں چار وجہیں بالاتفاق جائز ہیں طول مع[۲۲] الطول مع الاسکان، توسط مع التوسط مع الاسکان، قصر مع القصر مع الاسکان، قصر مع الروم مع القصر بالاسکان۔ جبکہ قصر مع الروم مع التوسط بالاسکان اور قصر مع الروم مع الطول بالاسکان، یہ دو وجہیں[۲۳] مختلف فیہ ہیں اور باقی وجہیں بالاتفاق غیر جائز۔ اور وصلِ اول فصلِ ثانی میں بھی بارہ وجہیں عقلی نکلتی ہیں اور ان میں چار صحیح ہیں اور دو مختلف فیہ ہیں اور اس صورت میں جو وجہیں نکلتی ہیں وہ بعینہٖ مثل فصلِ اول وصلِ ثانی کے ہیں، اس وجہ سے نہیں بیان کی گئیں۔ اور وصلِ کل کی حالت میں اَلْعٰلَمِیْنَ کے مدود[۲۴] ثلاثہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ اور

[۲۲] پہلے طول سے مراد اَلرَّجِیْمِ کا طول ہے اور دوسرے سے اَلْعٰلَمِیْنَ کا، اور اسکان دونوں کو شامل ہے، اَلرَّجِیْمِ کے اسکان کو بھی اور اَلْعٰلَمِیْنَ کے اسکان کو بھی۔ تو گویا اصل کی رو سے عبارت اس طرح ہے: طول مع الاسکان مع الطول مع الاسکان، لیکن تکرار سے بچنے کی خاطر پہلی جگہ سے مع الاسکان کو حذف کر دیا ہے۔ اور باقی دو یعنی توسط اور قصر میں بھی یہی وضاحت سمجھنی چاہیے۔ اور چوتھی میں رَوم سے مراد تو اَلرَّجِیْمِ کا رَوم ہے اور اسکان سے مراد اَلْعٰلَمِیْنَ کا اسکان۔

پس تیسری اور چوتھی میں یہی فرق ہوا کہ تیسری میں تو دونوں میں اسکان ہے اور چوتھی میں اَلرَّجِیْمِ میں تو رَوم ہے اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں اسکان۔ اور اس فرق سے وجہ کے جائز ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑتا جیسا کہ حاشیہ نمبر ۱۸ کے ضمن میں بھی لکھا جا چکا ہے۔ ۱۲

[۲۳] ان دو کے مختلف فیہ ہونے کی توجیہ اوپر حاشیہ نمبر ۱۹ کے ضمن میں گزر چکی ہے کہ بعض نے ظاہری عدمِ مساوات کی بناء پر ناجائز اور بعض نے مجبوری کے پیشِ نظر جائز کہا ہے۔ ۱۲

[۲۴] مطلب یہ ہے کہ وصلِ کل کی حالت میں چونکہ وقف نہ اَلرَّجِیْمِ پر ہو گا اور نہ اَلرَّجِیْمِ پر، اسلیئے اس صورت میں ضربی وجوہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔ صرف اَلْعٰلَمِیْنَ ہی میں تین وجوہ ہوں گی یعنی طول، توسط قصر مع الاسکان۔ اور مدودِ ثلاثہ سے یہی تین وجوہ مراد ہیں۔

بسملہ میں پندرہ یا اکیس[25] وجہیں صحیح ہیں۔

۴ **فائدہ:** یہ وجہیں جو بیان کی گئی ہیں اس وقت ہیں کہ اَلْعٰلَمِيْنَ ○ پر وقف[26] کیا جائے اور اگر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پر، یا يَوْمِ الدِّيْنِ ○، یا نَسْتَعِيْنُ ○ پر وقف کیا جائیگا، یا کہیں وصل اور کہیں[27] وقف کیا جائے گا تو بہت سی وجہیں[28] ضربی نکلیں گی۔

[25] پندرہ تو اس طرح کہ چار فصلِ کل کی صورت میں، چار فصلِ اوّل وصلِ ثانی کی صورت میں، چار وصلِ اوّل فصلِ ثانی کی صورت میں اور تین وصلِ کل کی صورت میں ہیں۔ اور اکیس اس طرح کہ پہلی تین صورتوں میں سے ہر ہر صورت میں دو دو وجوہ مختلف فیہ ہیں، پس ان چھ کے ملانے سے کل اکیس[21] ہوگئیں۔ اور اگر تسہیل القواعد کے بیان کے موافق فصلِ کل کی اڑتالیس وجوہ میں سے ان چھ کو بھی جائز قرار دے دیا جائے جن کا ذکر حاشیہ نمبر ۲۰ کے ضمن میں کیا گیا ہے تو پھر وجوہِ جائزہ کی تعداد پندرہ یا اکیس سے بڑھ کر ستائیس[27] تک پہنچ جاتی ہے۔ احقر کے ذوق کا میلان اس جانب ہے کہ سترہ کو تو بالاتفاق جائز کہا جائے اور دس کو مختلف فیہ۔ اتفاقی سترہ کی فہرست میں فوائد مکیہ کی پندرہ کے علاوہ نمبر ۴۴ اور ۴۷ کو اور اختلافی دس کی فہرست میں متن کی چھ کے علاوہ نمبر ۴، ۱۳، ۲۴، اور ۳۰ کو شامل کیا جائے۔

[26] یہاں وقف سے مراد قطع ہے یعنی یہ کہ قراءۃ یہاں ختم ہی کر دی جائے ورنہ وقف تو اَلرَّحِيْمِ اور اَلرَّحِيْمِ پر بھی کیا ہی جاتا ہے۔ ۱۲ (وقف اور قطع کے فرق کو استاذ سے سمجھ لیجیے)

[27] یہاں "وقف" اپنے ہی معنیٰ میں ہے اور اس سے مراد قطع نہیں، کیونکہ یہاں وقف کے مقابلے میں وصل کو لائے ہیں اور وصل کا مقابل وقف ہی ہے قطع نہیں اور یوں بھی اگر یہاں وقف سے مراد قطع لیا جائے تو اس سے کوئی بات نہیں بنتی، کیونکہ کہیں وصل اور کہیں قطع کے کوئی معنیٰ ہی نہیں نکلتے۔ اس لیے کہ قطع کہتے ہیں قراءۃ کے بالکل ختم کر دینے کو، پس جب قراءۃ کو بالکل ختم ہی کر دیا تو پھر اس کے بعد کہیں وصل کے کیا معنیٰ!۔ پس پہلے دو موقعوں میں تو وقف "قطع" کے معنیٰ میں ہے اور یہاں اپنے معنیٰ میں۔ ۱۲

[28] کیونکہ موقوف علیہ کے زیادہ ہو جانے سے وجوہ بھی زیادہ ہو جائیں گی، غور کرو کہ اَلرَّحِيْمِ

پر قطع قرارۃ سے صرف سولہ وجہیں پیدا ہوئی تھیں اسلئے کہ درمیان میں موقوف علیہ صرف ایک ہی تھا یعنی اَلرَّحِیْمِ، پھر جب قطع اَلْعٰلَمِیْنَ پر کیا تو اب درمیان میں چونکہ موقوف علیہ دو ہو گئے یعنی اَلرَّحِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ تو وجوہ سولہ سے متجاوز ہوکر اڑتالیس تک پہنچ گئیں۔ ایسے ہی اگر اَلْعٰلَمِیْنَ پر بھی قطع نہ کیا جائے بلکہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر کیا جائے تو پہلی اڑتالیس کو دوسرے اَلرَّحِیْمِ کی چار سے ضرب دینے پر وجوہ ایک سو بانوے ۱۹۲ ہو جائیں گی، اور اگر قطع یہاں بھی نہ کیا جائے بلکہ یَوْمِ الدِّیْنِ پر کیا جائے تو پھر پہلی ایک سو بانوے کو اَلدِّیْنِ کی چار سے ضرب دینے پر سات سو اڑسٹھ ۷۶۸ ہو جائیں گی، اور اگر قطع نَسْتَعِیْنُ پر کیا جائے تو چونکہ اسمیں وجوہ جائزہ سات ہیں، تین اسکان کیساتھ، تین اشمام کیساتھ اور ایک رَوم کے ساتھ، تو اب پہلی سات سو اڑسٹھ ۷۶۸ کو نَسْتَعِیْنُ کی سات سے ضرب دینے پر وجوہ کی تعداد پانچ ہزار تین سو چھہتر ۵۳۷۶ تک پہنچ جائے گی۔

اب چند صورتیں کہیں وصل اور کہیں وقف کی لکھی جاتی ہیں:۔ غور کرو کہ اگر اَلرَّحِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ ان دونوں پر وقف تو کیا جائے لیکن قطع اَلْعٰلَمِیْنَ پر نہ کیا جائے بلکہ اسکا مابعد سے وصل کر کے اَلرَّحِیْمِ پر کیا جائے تو اب وجوہ بجائے اڑتالیس کے چونسٹھ ہوں گی، کیونکہ اب پہلی سولہ کو دوسرے اَلرَّحِیْمِ کی چار سے ضرب دیں گے اور اگر اَلرَّحِیْمِ پر بھی قطع نہیں کیا بلکہ اسکا مابعد سے وصل کر کے اَلدِّیْنِ پر کیا ہے تو اس صورت میں بھی وجوہ چونسٹھ ہی نکلیں گی۔ کیونکہ اَلرَّحِیْمِ اور اَلدِّیْنِ دونوں میں موقوف علیہ کی کیفیت ایک ہی ہے اور اگر اَلدِّیْنِ کا بھی وصل ہی کیا ہے اور قطع نَسْتَعِیْنُ پر کیا ہے تو اب ضربی وجوہ ایک سو بارہ ہوں گی، کیونکہ اس صورت میں اَلرَّحِیْمِ کی سولہ نَسْتَعِیْنُ کی سات سے ضرب دی جائیں گی۔ اور اگر وقف اَلْعٰلَمِیْنَ پر کیا ہے لیکن اَلرَّحِیْمِ اور اَلدِّیْنِ پر نہیں کیا تو اس صورت میں اَلْعٰلَمِیْنَ تک کی اڑتالیس کو نَسْتَعِیْنُ کی سات سے ضرب دینے پر وجوہ تین سو چھتیس ۳۳۶ ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔

اوران میں وجہ صحیح نکالنے کا طریقہ یہ ہے[29] کہ جس وجہ میں ضعیف کو قوی پر ترجیح ہو جائے یا

یہ ساری تفصیل اور ہندی کی چندی طلبہ کے ذہنوں کو تیز کرنے اور ان کے اندر استخراجِ وجوہ کی استعداد پیدا کرنے کی غرض سے کی گئی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ عملاً تو وجوہ کی یہ بھاری تعداد نہ صحیح ہے اور نہ مطلوب۔ عملی لحاظ سے تو ان بہت سی وجوہ میں سے جائز صرف وہی چند وجوہ سمجھیں جائیں گی جن میں تساوی اور توافق ہوگا۔ اب آگے مصنف رحمہ اللہ بہت سی وجوہ میں سے وجوہ جائزہ کو چھانٹنے اور جائزہ وغیر جائزہ میں امتیاز کرنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں، بس یہی وہ طریقہ ہے جو اس ساری بحث کی جان ہے جس کے ذہن نشین ہو جانے اور سمجھ میں آجانے کے بعد مدود اور اوجہ مد کی اس وادی کو طے کرنا قطعاً مشکل نہیں رہ جاتا۔۱۲

[29] یہاں طریقہ بمعنٰی ضابطہ اور قاعدہ ہے جس کے تین اصول ہیں :۔

① ضعیف کی قوی پر ترجیح نہ ہونے پائے

② عدمِ مساوات لازم نہ آئے

③ اقوالِ مختلفہ میں خلط نہ ہو

پس جس وجہ میں ان تینوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہوگی وہ وجہ تو صحیح سمجھی جائے گی اور اگر ان تینوں میں سے ایک بات بھی پائی گئی، مثلاً ضعیف کی ترجیح قوی پر ہوگئی، یا مساوات نہ رہی، یا اقوالِ مختلفہ میں خلط ہوگیا تو ان تینوں صورتوں میں وہ وجہ غیر صحیح سمجھی جائے گی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مد فرعی کی چار قسموں میں سے لازم و عارض میں تو مد کا سبب سکون بنتا ہے اور باقی دو یعنی متصل اور منفصل میں "سببِ مد" ہمزہ ہوتا ہے، پھر متصل اور منفصل میں سے متصل تو قوی ہے اور منفصل ضعیف، اور لازم و عارض میں سے لازم قوی ہے اور عارض ضعیف۔ اس فرقِ مراتب کی وجہ یہ ہے کہ متصل میں تو سببِ مد کا حرفِ مد کے ساتھ اتصال مستقل اور دائمی ہوتا ہے جو کسی حالت میں بھی اس سے جدا نہیں ہوسکتا بخلاف منفصل کے، کہ اس میں پہلے کلمہ پر وقف کرنے کی صورت میں سببِ مد حرفِ مد سے جدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لازم و عارض میں بھی قوت اور ضعف کا فرق اسلئے ہے کہ لازم میں تو سببِ مد یعنی سکون کا وجود ایسا لازمی اور ضروری ہوتا ہے

مساوات نہ رہے یا اقوالِ مختلفہ میں خلط ہو جائے تب یہ وجہ غیر صحیح ہو گی۔

کہ حالین میں باقی رہتا ہے اور کسی حالت میں بھی زائل نہیں ہوتا بخلاف عارض کے، کہ اس میں یہ سبب صرف وقفاً ہی عارض ہوتا ہے اور بحالتِ وصل اسکا وجود نہیں ہوتا۔ پھر عارض کی دوقسموں یعنی عارض وقفی اور لین عارض میں سے بھی عارض تو قوی ہے اور لین عارض ضعیف، اسلئے کہ پہلی میں محلِ مد حرفِ مدّہ ہوتا ہے اور دوسری میں حرفِ لین۔ اور "حرفِ مدّ" مد کے باب میں اصل ہے بخلاف لین کے، کہ اس میں مد صرف مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے، حرفِ مد کی طرح اس کی ذات میں مدّیت نہیں پائی جاتی۔

❁ اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھو کہ ضعیف کی قوی پر ترجیح ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جو مد حیثیت اور مرتبہ کے اعتبار سے ضعیف ہے، اسکی مقدار اُس مد کی مقدار سے بڑھ جائے جو حیثیت اور رتبہ کے اعتبار سے قوی ہے۔ مثلاً مد عارض اور لین عارض کے جمع ہونے کی صورت میں قاری لین عارض میں تو طول کرے اور عارض وقفی میں توسط، یا لین عارض میں تو توسط کرے اور عارض میں قصر اور ایسے ہی متصل اور منفصل کے جمع ہونے کی صورت میں منفصل میں تو چار الفی توسط کرے اور متصل میں اڑھائی الفی، یا منفصل میں اڑھائی الفی توسط کرے اور متصل میں دو الفی وغیرہ وغیرہ تو یہ سب صورتیں ضعیف کی قوی پر ترجیح کی ہیں، کیونکہ "متصل" منفصل سے اور "عارض وقفی" لین عارض سے قوی سمجھی گئی ہے جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ اور ان صورتوں میں منفصل کی مقدار متصل سے اور لین عارض کی عارض سے بڑھ جاتی ہے۔

❁ اور مساوات کے نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک حیثیت اور ایک مرتبہ کی کئی مدوں کی وجوہ میں برابری نہ رہے۔ مثلاً کسی جگہ دو مد عارض یا دو لین عارض، یا دو متصل یا دو منفصل جمع ہوں تو قاری ایک مد میں تو طول کرے اور دوسری میں توسط، یا ایک میں توسط کرے اور دوسری میں قصر، یا ایک میں قصر کرے اور دوسری میں طول وغیرہ وغیرہ تو یہ سب صورتیں عدمِ مساوات کی سمجھی جائیں گی۔

❁ اور اقوالِ مختلفہ میں خلط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ طول اور توسط کی مقدار کے بارے میں

④ توسط مع التوسط ⑤ توسط مع القصر ⑥ قصر مع القصر۔ اور تین[۳۳] وجہیں غیر جائز ہیں یعنی:۔ ❶ توسط مع الطول ❷ قصر مع التوسط ❸ قصر مع الطول | اور جب مد لین مقدم ہو مثل لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ تو اس وقت بھی نو[۳۴] وجہیں نکلتی ہیں۔ اسمیں سے چھ[۳۵] وجہیں جائز ہیں یعنی:۔ ① قصر مع القصر ② قصر مع التوسط ③ قصر مع الطول ④ توسط مع الطول ⑤ توسط مع التوسط ⑥ طول مع الطول۔ اور ❶ طول مع التوسط ❷ طول مع القصر اور ❸ توسط مع القصر، یہ تین غیر جائز ہیں اور یہ وجہیں غیر جائز اس وجہ سے ہیں کہ حروفِ مدّہ میں "مد" اصل اور قوی ہے اور حرفِ لین میں جو مد ہوتا ہے وہ تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اس وجہ سے حرفِ لین میں مد ضعیف ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں ترجیح ضعیف[۳۶] کی قوی پر ہوتی ہے اور یہ غیر جائز ہے | اور اگر موقوف علیہ میں بہ سبب اختلافِ حرکات کے رَوم و اشمام جائز ہو تو اس میں اور وجہیں زائد پیدا ہوں گی، اس میں

پہلے والے لفظ سے پہلے مد کی اور اسکے بعد والے لفظ سے دوسرے مد کی وجہ مراد ہے۔۱۲

[۳۳] یہ تین وجہیں اسلئے نا جائز ہیں کہ ان میں ضعیف کی قوی پر ترجیح ہو جاتی ہے۔۱۲

[۳۴] کیونکہ اس صورت میں بھی مدیں دو ہی ہیں اور ہر ایک میں وجوہ بھی تین تین ہی ہیں۔۱۲

[۳۵] یہ چھ بھی اگرچہ ہیں تو بعینہٖ پہلی چھ ہی کی طرح۔ کیونکہ ان میں بھی تین مساوات کی ہیں اور تین ترجیح کی، لیکن یہاں چونکہ لین مقدم ہے اور عارض مؤخر، اور لین میں اولیٰ قصر ہے اسلئے وجوہ کی ترتیب پہلی صورت کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہاں تو طول مع الطول سے شروع کیا تھا اور یہاں قصر مع القصر سے شروع کیا ہے۔ خوب سمجھ لو!۔۱۲

[۳۶] ترجیح سے کیا مراد ہے، مدود میں کونسا مد ضعیف ہے اور کون سا قوی، ضعف اور قوت کا حکم کس بناء پر لگایا گیا ہے، ضعیف کی قوی پر ترجیح کیوں نا جائز ہے، اس سب کی وضاحت حاشیہ نمبر ۲۹ کے ضمن میں گزر چکی ہے، اسلئے اب یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔۱۲

بھی مساوات اور ترجیح کا خیال رکھنا چاہیے مثل مِنۡ جُوۡعٍ، مِنۡ خَوۡفٍ ۝ [۳۷]

[۳۷] مِنۡ جُوۡعٍ اور مِنۡ خَوۡفٍ ۝ میں چونکہ اشمام تو ہو نہیں سکتا، اس لیے اس میں ضربی وجوہ زیادہ سے زیادہ سولہ ہی نکلتی ہیں جیساکہ حاشیہ نمبر ۲۰ کے ضمن میں اس کا ذکر آچکا ہے، جن میں گیارہ تو جائز ہیں اور پانچ غیر جائز۔

جائز گیارہ یہ ہیں :۔

(۱) تا (۴) مِنۡ جُوۡعٍ کے طول مع الاسکان کے ساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں چار یعنی طول توسط قصر مع الاسکان اور قصر مع الرّوم (۵) تا (۷) مِنۡ جُوۡعٍ کے توسط مع الاسکان کیساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں تین یعنی توسط وقصر مع الاسکان اور قصر مع الرّوم (۸) (۹) مِنۡ جُوۡعٍ کے قصر مع الاسکان کیساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں دو یعنی قصر مع الاسکان اور قصر مع الرّوم (۱۰) (۱۱) مِنۡ جُوۡعٍ کے قصر مع الرّوم کے ساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں پھر وہی دو یعنی قصر مع الاسکان وقصر مع الرّوم۔ ان میں سے چھ مساوات کی ہیں اور پانچ ترجیح کی اور یہاں ترجیح جائز ہے، اس لیے کہ دو مدیں مختلف حیثیتوں کی ہیں۔

اور پانچ جو غیر جائز ہیں وہ یہ ہیں :۔

(۱) مِنۡ جُوۡعٍ کے توسط کے ساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں طول (۲) (۳) مِنۡ جُوۡعٍ کے قصر مع الاسکان کے ساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں توسط اور طول (۴) (۵) مِنۡ جُوۡعٍ کے قصر مع الرّوم کے ساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں پھر وہی دو یعنی توسط اور طول مع الاسکان۔ اور اِن کے ناجائز ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان میں ضعیف کی قوی پر ترجیح ہو جاتی ہے۔ اور اگر اُن وجوہ کو جائز نہ کہا جائے جن میں از روئے وقف اتحادِ نوعی نہیں تو پھر وجوہ جائزہ سات اور غیر جائزہ نو ہوں گی، کیونکہ اس صورت میں نمبر ۴، ۷، ۹ اور ۱۰ یعنی مِنۡ جُوۡعٍ کے طول اور توسط مع الاسکان کے ساتھ مِنۡ خَوۡفٍ میں قصر مع الرّوم، اور دونوں میں سے ہر ایک کے قصر مع الرّوم کے ساتھ دوسرے کا قصر مع الاسکان، یہ چار وجہیں جائز نہ ہوں گی۔ چنانچہ صاحبِ ہدیۃ الوحید نے ان چار کو غیر جائزہ ہی کی فہرست میں شامل کیا ہے، لیکن جیساکہ حاشیہ نمبر ۲۰ کے ضمن میں لکھا جا چکا ہے کہ کسی وجہ کے جائز ہونے کیلئے نوعِ وقف میں اتحاد ضروری نہیں اسلئے جائزہ اور غیر جائزہ کو گیارہ اور پانچ میں تقسیم کرنا ہی

منفصل میں چار الف، ڈھائی الف، دو الف اور قصر جائز ہے۔ اور اگر ڈھائی الف مد کیا ہے تو منفصل میں ڈھائی الف، دو الف اور قصر جائز ہے۔ اور چار الف غیر جائز ہے۔ ایسا ہی اگر متصل میں دو الف مد کیا جائے تو منفصل میں صرف دو الف اور قصر ہوگا اور ڈھائی الف، چار الف مد نہ ہوگا۔

۸ فائدہ: جب متصل منفصل کئی جمع ہوں مثل بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ تو انہی قواعد[۴۵] پر قیاس کر کے وجہ صحیح اور غیر صحیح نکال لی جائے۔

۹ فائدہ[۴۶]: جب متصل کا ہمزہ اخیر کلمہ میں واقع ہو اور اس پر وقف اسکان یا اشمام کے ساتھ کیا جائے مثل یَشَآءُ، قُرُوٓءٍ، نَسِیٓءُ تو اس وقت میں طول[۴۷] بھی جائز ہے اور

---

[۴۵] ان قواعد سے مراد یہاں صرف یہ ہے کہ نہ تو ضعیف کی ترجیح قوی پر ہونے پائے اور نہ اقوالِ مختلفہ میں خلط ہو۔ رہی عدمِ مساوات کی دوسری صورت یعنی قوی کی ترجیح ضعیف پر؟ سو وہ یہاں اسلئے جائز ہے کہ یہاں دو حیثیتوں کی مدوں کے جمع ہونے کا حکم بیان ہو رہا ہے اور اس میں یہ صورت جائز ہوتی ہے۔ پس متن کی مثال میں بِاَسْمَآءِ اور ؤُلَآءِ کی مقدار کو هٰٓؤُ کی مقدار کے برابر رکھنا یا اس سے بڑھانا، یہ دونوں صورتیں تو جائز ہیں کیونکہ پہلی مساوات کی ہے اور دوسری ترجیح قوی کی۔ اور هٰٓؤُ کی مقدار کو بِاَسْمَآءِ، یا ؤُلَآءِ کی مقدار سے بڑھانا جائز نہیں، کیونکہ یہ صورت ترجیحِ ضعیف کی ہے۔ ۱۲

[۴۶] اس سے پہلے کئی فائدوں کے ضمن میں مؤلف رحمہ اللہ نے دو یا دو سے زیادہ کلموں میں مدوں کے جمع ہونے کی صورتیں اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں اور اب اس فائدہ میں ایک ہی کلمہ بلکہ ایک ہی حرفِ مد میں دو قسم کی مدوں کے جمع ہونے کا حکم بیان فرمار ہے ہیں۔ ۱۲

[۴۷] مطلب یہ ہے کہ مدِ متصل میں یوں تو توسط ہی ہوتا ہے لیکن اگر اسکا ہمزہ کلمہ کے آخر میں واقع ہو اور اس پر اسکان یا اشمام کے ساتھ وقف کیا جائے تو اس صورت میں چونکہ ایک ہی مدہ میں مد کے دو سبب ایک دم جمع ہو جاتے ہیں:۔ ایک ہمزہ اور دوسرا سکونِ وقفی، جس کی وجہ سے سبب قوی

سببِ عارضی کا اعتبار لازم آتا ہے اور یہ غیر جائز ہے۔ اور اگر وقف بالروم کیا ہے تو صرف

سکونِ عارض کا اعتبار کر لینے کی بناء پر کیے جاتے ہیں اور قصر اعتبار نہ کرنے کی بناء پر، پھر یہاں قصر کرنے سے اعتبار کیسے لازم آگیا، اور پھر مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ سکون کی وجہ سے قصر جائز نہ ہوگا، یہ بھی ایک معمہ ہے، کیونکہ سکون تو قصر کا موجب ہی نہیں، قصر کا موجب تو حرکت ہے!

ہاں! اگر مسئلہ کی تقریر اس طرح کی جائے کہ: [یَشَآءُ اور قُرُوٓءٍ جیسے کلمات میں وقفاً چونکہ دوقسم کی مدیں جمع ہوجاتی ہیں:- ایک متصل اور دوسری عارض وقفی، ان میں سے متصل قوی ہے اور عارض وقفی ضعیف، تو اگر ان کلمات میں عارض وقفی کو سامنے رکھ کر قصر کیا جائیگا تو اس سے مدِ متصل کا الغاء اور مد عارض کا اعتبار لازم آئیگا] تو اس سے البتہ اشکال رفع ہوسکتا ہے۔ گو اس تقریر میں اور متن کے الفاظ میں مطابقت نہیں، کیونکہ متن میں تو سببِ اصلی کا الغاء اور سببِ عارضی کا اعتبار مذکور ہے اور اس تقریر میں مدِ متصل کا الغاء اور مد عارض کا اعتبار کہا گیا ہے، لیکن سبب بول کر اس سے مسبّب مراد لینا ایک عام اور مشہور اسلوب ہے۔ چنانچہ بعض مصنفین نے اپنی تصنیفات میں مسئلہ کی یہی تقریر کی ہے اور اس صورت میں سببِ عارض کا اعتبار بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسلئے کہ یہاں قصر مد عارض ہی کو مدنظر رکھ کر کیا جاسکتا ہے، ورنہ متصل کی وجہ سے تو قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پس اگر یہاں قصر کریں گے تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ مد عارض کا تو اعتبار کر لیا ہے اور متصل کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ اسکا اعتبار کرتے تو قصر نہ کرتے۔ اور اب یہ معمہ بھی حل ہوگیا کہ سکون کی وجہ سے قصر جائز نہ ہوگا، کیونکہ جب سکونِ عارض سے مراد مد عارض لے لی تو اب اسکا مطلب یہ ہوگیا کہ مد عارض کی وجہ سے قصر جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ سکون کی وجہ سے قصر جائز نہ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یَشَآءُ وغیرہ میں وقفاً مد عارض کی وجہ سے قصر نہ ہوگا۔

اور بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل فرمایا ہے کہ قراء کی اصطلاح یہ ہے کہ سببِ مد کے ہوتے ہوئے اگر مد نہ کیا جائے تو ایسے ترکِ مد پر قصر کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ توجیہ اور بھی عمدہ ہے، اسلئے کہ اس کی رو سے یَشَآءُ وغیرہ میں وقفاً قصر کا موجب "حرکت" نہیں بلکہ سکون ہی قرار پاتا ہے، کیونکہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ ان کلمات میں ایک الفی مد پر قصر کا اطلاق سکون ہی کی وجہ

توسط[۴۹] ہوگا۔

۱۵ **فائدہ:** خلافِ جائز[۵۰] سے جو وجہیں نکلتی ہیں مثل اوجہ بسملہ وغیرہ کے، ان میں سب وجہوں کا ہر جگہ پڑھنا معیوب ہے۔ اس قسم کی وجہوں میں ایک وجہ کا پڑھنا کافی ہے۔ البتہ افادہ کے لحاظ سے سب وجہوں کا ایک جگہ جمع کر لینا معیوب نہیں۔

سے کیا گیا ہے، ورنہ اگر سکون نہ ہوتا تو اس پر قصر کا اطلاق ہی نہ کرتے بلکہ اس کو مد طبعی کہتے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔

۴۹ یعنی نہ طول جائز ہے نہ قصر۔ طول تو اسلئے جائز نہیں کہ رَوم کی صورت میں اجتماعِ سببین کی شکل پیدا نہیں ہوتی، اسلئے اس صورت میں مدّ متصل کی عام مقدار یعنی توسط سے بڑھانا اور طول کرنا بھی جائز نہیں رہتا۔ اور قصر کے جائز نہ ہونے کی وجہ یہاں بھی وہی ہے جو وقف بالاسکان اور بالاشمام کی صورت میں ہوتی ہے کہ اس صورت میں سببِ اصلی یعنی ہمزہ کا الغاء لازم آتا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَم۔ ایسے ہی اگر کسی کلمہ میں مد لازم اور مد عارض ایک دم جمع ہو جائیں جیسے عَلَیْھَا صَوَآفَّ اور وَلَا جَآنٌّ وغیرہ تو اس صورت میں وقف کی تینوں کیفیتوں میں صرف طول ہی ہوگا، کیونکہ اگر یہاں قصر یا توسط کیا جائے گا تو اس سے سببِ اصلی کا الغاء اور سببِ عارض کا اعتبار لازم آئیگا، کیونکہ مد لازم کے ہوتے ہوئے نہ توسط ہو سکتا ہے نہ قصر۔ خوب سمجھ لو!

۵۰ "خلافِ جائز" سے وہ وجوہ مراد ہیں جن میں سے ایک کا پڑھ لینا ہی کافی ہو اور اس ایک کے پڑھ لینے سے قراءۃ یا روایت کی تکمیل ہو جاتی ہو۔ جیسا کہ کیفیتِ وقف میں اسکان، اشمام اور رَوم اور جیسے مد عارض میں طول، توسط، قصر، کہ ان میں سے ایک ہی کے پڑھ لینے سے روایت کامل ہو جاتی ہے۔ تو اب مطلب یہ ہوگا کہ مد عارض وقفی اور لین عارض کی تینوں وجوہ کا اور ایسے ہی مدّ متصل اور منفصل کے بارے میں جو کئی کئی اقوال آئے ہیں، ان سب کا، یا بحالتِ وقف کسرہ میں اسکان اور رَوم کا اور ضمہ میں اسکان، رَوم اور اشمام کا ہر جگہ جمع کرنا مناسب نہیں بلکہ بلا ضرورت معیوب ہے، ہاں! افہام وتفہیم کی غرض سے جمع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ان کا فرق طلبہ کے ذہن نشین کرانے کی غرض سے کبھی کبھی جمع کرنا بہتر ہے۔ اور متن میں افادہ سے مراد افہام وتفہیم ہی ہے اور متن

کو منصوب[۵۳] پڑھنا ضروری ہے، ایسا ہی بالعکس[۵۴]۔ ایسے اختلاف کے موقع پر خلط بالکل حرام ہے۔ اور اگر ایک روایت کا التزام[۵۵] کر کے پڑھا اور اس میں دوسرے کو خلط کر دیا تو کذب

اس مسئلہ کے یہاں بیان کرنے کی مؤلف رحمہ اللہ نے ضرورت اسلئے محسوس کی کہ اوپر شروعِ فصل سے مد کی ضربی وجوہ کی تفصیل بیان ہوتی چلی آرہی ہے، جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان وجوہ میں سے بعض جائز ہیں اور بعض ناجائز اور پھر آخر میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ اس فصل میں ناجائز بمعنیٰ غیر اولیٰ ہے، شرعی حرام یا مکروہ کے معنیٰ میں نہیں۔ اور اب اس فائدہ کے ضمن میں "اختلافِ مرتب" کے مسئلہ کو اس بات کے سمجھانے کیلئے بیان فرمایا ہے کہ قراءات کے تمام اختلافات کا حال اوجہ مد کے اختلافات کا سا نہیں کہ اس میں خلط کرنا صرف غیر اولیٰ ہی ہو، بلکہ بعض اختلافات ایسے بھی ہیں جو حرام یا حرام کے لگ بھگ ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے اس سلسلہ میں جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ تو حرام ہے، اور پھر اسکے بعد ان کو بیان کیا ہے جن میں حرمت درجہ بدرجہ کم ہوتی چلی گئی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔ ۱۲

[۵۳] بعض طلبہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کَلِمٰتٍ سے متعلق کتاب میں منصوب کا لفظ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کیونکہ یہ لفظ یا دان کو جر کیساتھ ہوتا ہے، اسلئے وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے!!! سو یاد رکھو! کہ یہ کاتب کی غلطی نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ کَلِمٰتٍ جمع مؤنث سالم کا صیغہ ہے اور جمع مؤنث سالم کا نصب نحوی قاعدہ کی رو سے جر ہی کی شکل میں آتا ہے، لہٰذا یہ صحیح ہے اور اس کی باقی تفصیل اپنے استاذ سے پوچھ لو۔ ۱۲

[۵۴] یعنی اٰدَمَ میں نصب اور کَلِمٰتٌ میں رفع، بالعکس سے یہی مراد ہے۔ ۱۲

[۵۵] یعنی اپنے آپ کو اس بات کا پابند بنایا کہ فلاں قاری کی قراءۃ اسکے فلاں راوی کی روایت ہی سے پڑھوں گا، دوسرے راوی کی روایت سے نہیں۔ تو اب اس التزام اور پابندی کے بعد درمیان میں کسی لفظ کو اگر اس قاری کے دوسرے راوی کی روایت کے موافق پڑھے گا تو یہ کَذِبٌ فِی الرِّوَایَۃِ یعنی روایت میں غلط بیانی اور جھوٹ ہوگا، کیونکہ کسی خاص روایت کے التزام کے بعد دوسری روایت کے موافق اگر پڑھے گا تو اس کے عمل سے یہ ظاہر ہوگا کہ یہ قراءۃ بھی اسی راوی

فی الروایت لازم آئیگا۔ اور علیٰ حسب التلاوۃ[56] خلط جائز ہے۔ مثلاً حفص رحمہ اللہ کی روایت میں دو طریق مشہور ہیں:۔ ایک امام شاطبیؒ، دوم جزریؒ، تو ان میں خلط کرنا اس لحاظ

سے منقول ہے جس کی روایت کا اس نے التزام کر رکھا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ: ۱۸۵ میں لفظ وَلِتُكْمِلُوا میں دو قراءتیں ہیں:۔

* ایک یہی وَلِتُكْمِلُوا یعنی اکمال سے
* اور دوسری وَلِتُكَمِّلُوا یعنی تکمیل سے

اور یہ دونوں قراءتیں امام عاصم رحمہ اللہ ہی سے مروی ہیں لیکن پہلی یعنی اکمال والی ان کے ایک راوی حضرت حفص رحمہ اللہ سے مروی ہے اور دوسری یعنی تکمیل والی ان کے دوسرے راوی حضرت شعبہ رحمہ اللہ سے مروی ہے تو اب روایتِ حفص کا التزام کرنے والے کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس موقع پر یہ خیال کر کے کہ چونکہ وَلِتُكْمِلُوا کی طرح وَلِتُكَمِّلُوا بھی امام عاصم رحمہ اللہ ہی سے مروی ہے بجائے وَلِتُكْمِلُوا کے وَلِتُكَمِّلُوا پڑھ دے، کیونکہ اگرچہ یہ ہے تو امام عاصم رحمہ اللہ ہی سے مروی لیکن بروایتِ شعبہ نہ کہ بروایتِ حفص، اور قاری کے یہاں وَلِتُكَمِّلُوا پڑھنے سے یہ ظاہر ہوگا کہ یہ بھی حفص رحمہ اللہ سے ہی مروی ہے اور یہی کذب فی الروایت ہے۔ البتہ اس میں اس درجہ کی قباحت نہیں جس درجہ کی اٰدَمُ اور كَلِمٰتٍ کے خلط میں ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[56] علیٰ حسب التلاوۃ یعنی بلا التزام طریق پڑھنا۔ اس ساری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی راوی کی روایت اس کے کسی طریق کا التزام کیے بغیر پڑھی جائے تو ایسی صورت میں ایک راوی کے دو طرق میں خلط جائز ہے جیسا کہ مدِ منفصل میں حفص رحمہ اللہ کی روایت میں بطریق شاطبیہ تو صرف مد ہی ہے اور جزری رحمہ اللہ کے طریق سے انہی کی روایت میں مد و قصر دونوں جائز ہیں، تو اب مطلب یہ ہوگا کہ اگر قاری نے شاطبیہ کے طریق کا التزام نہ کیا ہو تو منفصل میں قصر بھی کر سکتا ہے، اس بناء پر کہ قصر بھی حضرت حفص رحمہ اللہ سے ہی مروی ہے، خصوصاً جب کسی کلمہ میں ایسی دو وجہیں ہوں کہ ان میں سے ایک تو خاص و عام سب ہی میں مشہور ہو اور اسکا پڑھنا پڑھانا عام ہو گیا ہو اور دوسری وجہ صرف قراء کے یہاں ہی مشہور اور ثابت ہو اور عوام میں اسکا پڑھنا پڑھانا متروک ہو گیا ہو، تو ایسی

سے کہ دونوں وجہ حفص رحمہ اللہ سے ثابت ہیں کچھ حرج نہیں خصوصاً جب ایک وجہ عوام میں شائع ہو گئی ہو اور دوسری وجہ مشہور ثابت عند القراء متروک ہو گئی ہو تو ایسی صورت میں لکھنا

صورت میں اس ثابت عند القراء و متروک عند العوام والی وجہ کی تشہیر نہایت ضروری ہے۔ تعلیم و تعلم کے ذریعہ بھی اور کتابوں میں لکھ کر بھی:۔

❋ خواہ یہ غیر مشہور وجہ کسی راوی کے ایک ہی طریق سے منقول ہو جیسا کہ نون ساکن و تنوین کا ادغام لام و راء میں بطریقہ شاطبی تو اگرچہ صرف بلا غنہ ہی ہے مگر بطریقہ جزری بلا غنہ اور بالغنّہ دونوں ہیں، پس بالغنّہ صرف ایک ہی طریق سے ثابت ہے اور دوسرے طریق سے نہیں۔

❋ اور خواہ دونوں طرق سے منقول ہو جیسا کہ سورۂ رُوم آیت: ۵۴ میں (دو جگہ) ضُعْفٍ اور (ایک جگہ) ضُعْفًا کہ ان تینوں میں حفص رحمہ اللہ کے لیے دو وجہیں ہیں:۔ ① ضاد کا ضمہ ② ضاد کا فتحہ۔ اور یہ دونوں بطریقہ شاطبی بھی ہیں اور بطریقہ جزری بھی۔ پس ضمہ کی طرح فتحہ بھی شاطبی اور جزری دونوں ہی طرق سے مروی ہے۔

لیکن ادغام بلا غنہ اور ضاد کے ضمہ والی وجہ تو مشہور ہے اور ادغام بالغنّہ اور ضاد کے فتحہ والی وجہ غیر مشہور اور متروک عند العوام ہے، تو اب علمائے قراءۃ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ لام و راء میں نون کے ادغام بالغنّہ کی اور سورۂ رُوم کے ضُعْفٍ اور ضُعْفًا میں ضاد کے فتحہ کی تشہیر بھی کریں تاکہ قراء کی طرح عوام بھی اس بات کو جان لیں کہ حفص رحمہ اللہ کی روایت میں اس طرح پڑھنا بھی جائز اور صحیح ہے۔

ہاں اگر شاطبیہ کے طریق کا التزام کیا ہے تو اب مدّ منفصل میں قصر اور نون ساکن و تنوین کا لام و راء میں ادغام بالغنّہ جائز نہ ہوگا ورنہ خلط فی الطرق ہو جائیگا، گو اس میں کذب فی الروایت کی بہ نسبت حرج کم ہے۔ البتہ ضُعْفٍ اور ضُعْفًا میں التزامِ طریق کی صورت میں بھی دونوں وجوہ جائز ہیں، کیونکہ یہ دونوں ہر دو طریق سے منقول ہیں، لیکن یہ جائز نہیں کہ کسی لفظِ ضُعْفٍ کو تو بضمہ ضاد پڑھا جائے اور کسی کو بفتحہ ضاد، بلکہ جو حرکت پہلے لفظ میں پڑھی ہو ضروری ہے کہ باقی دو لفظوں میں بھی وہی پڑھی جائے۔ ۱۲

پڑھنا نہایت ضروری ہے۔ متاخرین[57] کے اقوال و آراء میں خلط کرنا چنداں مضائقہ نہیں۔

[57] یعنی بعد کے لوگ۔ اور بعد کے لوگوں سے وہ حضرات مراد ہیں جن کا درجہ طرق کے بعد ہے علّامہ شاطبی اور علّامہ جزری رحمہ اللہ بھی انہی میں داخل ہیں۔ اور اوپر جو طریقہ شاطبی اور طریقہ جزری کہا گیا ہے، تو اس سے مراد خود یہ حضرات نہیں بلکہ اس سے وہ دو سلسلے مراد ہیں جن کے واسطہ سے ان حضرات تک یہ روایت پہنچی ہے، کیونکہ اگرچہ یہ دونوں بزرگ ہمارے اعتبار سے تو امام ہیں لیکن اصطلاحاً یہ متاخرین میں داخل ہیں، کیونکہ یہ طرق میں سے نہیں ہیں بلکہ بعد کے لوگوں میں ہیں، تو اب مطلب مؤلف رحمہ اللہ کا اس فقرہ سے کہ [متاخرین کے اقوال و آراء میں خلط کرنا چنداں مضائقہ نہیں] یہ ہے کہ جو اختلافات طرق کے بعد والے لوگوں سے مروی ہیں ان میں خلط کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ مدّ متصل اور منفصل یا مد عارض اور لین عارض کی مقدار کے بارے میں کئی کئی قول ہیں، تو اب ان اقوال میں خلط کرنا یعنی ایک جگہ ایک قول کو لینا اور دوسری جگہ دوسرے قول کو، اس میں چنداں مضائقہ نہیں صرف خلافِ اولیٰ ہے۔ یہ نہ اختلافِ مرتب کی طرح حرام ہے، نہ کذب فی الروایت کی طرح ناجائز اور نہ خلط فی الطرق کی طرح ناپسندیدہ۔

خلاصہ یہ کہ اختلافِ قراءات کے چار مرتبے ہیں:۔

1. وہ جس کو مؤلف رحمہ اللہ نے اختلافِ مرتب سے تعبیر فرمایا ہے سو اس میں تو خلط حرام ہے۔
2. وہ جو منقول تو قراء یا رُوات ہی سے ہو لیکن مرتب نہ ہو، اس میں بھی خلط جائز نہیں کیونکہ اس سے کذب فی الروایت لازم آتا ہے۔
3. وہ جو طرق سے منقول ہو۔ اس میں بھی خلط ناپسندیدہ اور غیر مستحسن ہے، کیونکہ اس سے خلط فی الطرق لازم آتا ہے۔
4. وہ جو متاخرین یعنی طرق کے بعد والے لوگوں سے منقول ہو۔ اس میں خلط صرف خلافِ اولیٰ ہے، حرام یا ممنوع یا زیادہ حرج کا باعث نہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ

چوتھی فصل: وقف کے احکام

کو بھی سیکھتے۔ (منار الہدیٰ: ۷)

اسی لیے اکثر ائمہ اسلاف نے معلّمین کو اس بات کی ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے تلامذہ کو اس وقت تک سند فراغت نہ دیں جب تک کہ ان کو وقف اور ابتداء کی معرفت حاصل نہ ہو جائے۔ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اس بارہ میں قطعاً لاپرواہی اور بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ اچھے اچھے اور سمجھدار لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ حسنِ وقف اور حسنِ ابتداء کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حسنِ وقف کے بارے میں تو بعض دفعہ مناسب مقام تک سانس کے نہ پہنچ سکنے یا بھول جانے یا کھانسی وغیرہ کی وجہ سے مجبوری بھی پیش آجاتی ہے اور قاری کو اختتامِ جملہ سے پہلے ہی اضطراراً وقف کرنا پڑ جاتا ہے، لیکن ابتداء اور اعادہ کے بارے میں تو اس قسم کی مجبوری بھی پیش نہیں آتی اسلئے کہ ابتداء اور اعادہ اختیاری ہی ہوتے ہیں، ان میں اضطرار کی صورت نہیں پیش آتی، لہٰذا اگر کسی آیت یا مضمون کے طویل ہونے کی وجہ سے قاری کو بأمر مجبوری اس کے ختم ہونے سے پہلے وقف کرنا پڑ جائے جس کو وقفِ اضطراری کہتے ہیں تو پھر ماقبل سے اعادہ میں اس بات کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ "کلام" مفید اور مربوط ہو جائے تاکہ سامع کو معنیٰ اور مقصود کے سمجھنے میں کوئی الجھن پیش نہ آئے اور وہ کوئی تشنگی محسوس نہ کرے۔ چنانچہ ائمہ فن نے اس بات کو بھی صراحۃً بیان فرمایا ہے۔ ۱۲ ●●●●●

[۲] احکامِ وقف کے سلسلے میں چونکہ معلم التجوید میں کافی تفصیل درج ہو چکی ہے، چنانچہ اسکے ضمن میں وقف کی اہمیت اور اس کی تعریف، اسکے متعلقات یعنی سکتہ اور قطع کی وضاحت اور ان کا باہم فرق معرفۃ الوقوف کا مطلب اور اسکے ہر دو اجزاء یعنی کیفیتِ وقف اور محل وقف کی وضاحت، کیفیتِ وقف کے بارے میں چند تنبیہات، وقف کی باعتبارِ مضمون اور معنیٰ کی قسمیں، ہر ایک کی الگ الگ تعریف اور ان کی مثالیں، ابتداء اور اعادہ کی بحث، ابتداء اور اعادہ کا محل، سکتہ کے مواقع، یہ سب چیزیں بفضلہٖ تعالیٰ وہاں بیان ہو چکی ہیں اس لیے اب ان حواشی میں ان مباحث کا اعادہ تحصیلِ حاصل ہوگا۔ اگر وہاں پڑھے ہوئے مسائل طلبہ کے ذہنوں میں محفوظ ہوں گے تو اس فصل

وقف کے معنیٰ[۳] آخیر کلمہ[۴] غیر موصول پر سانس[۵] کا توڑنا۔ اب اگر وہاں پر کوئی آیت ہے یا کوئی وقف اوقافِ معتبرہ[۶] سے ہے تو بعد کے کلمہ سے ابتداء کرے، ورنہ جس کلمہ پر سانس توڑے اس کو اعادہ کرے۔ اور وسطِ کلمہ پر اور ایسا ہی جو کلمہ دوسرے کلمہ سے موصول ہو

کے مضمون کو سمجھنے میں انشاء اللہ کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، تاہم قابلِ وضاحت الفاظ کی تشریح حسبِ سابق ہم یہاں بھی کرتے جائیں گے وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ۔۱۲

[۳] معنیٰ سے مراد اصطلاحی معنیٰ یعنی وقف کی تعریف ہے، کیونکہ وقف کے لغوی معنیٰ تو مطلق ٹھہرنے کے ہیں۔۱۲

[۴] آخیر کلمہ کا ذکر یہاں جزوِ تعریف ہونے کی حیثیت سے نہیں کیا، بلکہ وقف کا ایک عمومی محل بتانے کی غرض سے کیا ہے اور غیر موصول کی قید کا ذکر بھی اسی بناء پر کیا ہے، پس حاصل ہر دو قیود کا یہ ہوا کہ وقف خواہ اختیاری ہو اور خواہ اضطراری، اسکا محل نہ تو کلمہ کا درمیان ہے اور نہ ہی کلمہ موصولہ کا آخری حرف، بلکہ وقف کا محل صرف کلمہ غیر موصولہ کا آخری حرف ہے۔ چنانچہ آگے یہ چیز متن میں بھی بالوضاحت آرہی ہے۔۱۲

[۵] تعریف کے اجزاء اگرچہ دو ہیں:۔ (۱) سانس کا توڑ دینا (۲) آواز کا توڑ دینا، مگر چونکہ پہلے کو دوسرا لازم ہے کیونکہ جب انقطاعِ نفس ہوگا تو انقطاعِ صوت بھی ضرور ہوگا، اسلئے مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں دوسرے جزو کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور گو تعریف کا ایک تیسرا جزو بھی ہے یعنی متحرک کو ساکن کر دینا، لیکن یہ جزو چونکہ وقف بالروم میں نہیں پایا جاتا، اسلئے مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں صرف تعریف کے اسی حصہ کو ذکر کیا ہے جو وقف کی تمام صورتوں میں پایا جاتا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔۱۲

[۶] یعنی وقفِ لازم، وقفِ مطلق اور وقفِ جائز وغیرہ۔ پس مطلب اس عبارت کا یہ ہوا کہ اگر گول دائرہ، یا میم، یا طاء، یا جیم کے موقع پر وقف کیا ہے تب تو بعد سے ابتداء کی جائے ورنہ ماقبل سے اعادہ کیا جائے۔ اس مسئلہ کی اس سے زیادہ وضاحت مع امثلہ کے معلم التجوید میں درج ہو چکی ہے۔۱۲

اس پر وقف جائز نہیں۔ ایسا ہی ابتداء اور اعادہ بھی جائز نہیں۔ اب معلوم ہونا چاہیئے کہ جس کلمہ پر سانس توڑنا[7] چاہتا ہے اگر وہ پہلے سے ساکن ہے تو محض[8] وہاں پر سانس توڑ دیں گے اور اگر وہ کلمہ اصل میں ساکن ہے مگر حرکت اس کو عارض ہوگئی ہے، تب بھی وقف محض اسکان[9] کے ساتھ ہوگا مثل عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ، وَاَنْذِرِ النَّاسَ[10]۔ اور اگر وہ حرفِ موقوف متحرک ہے تو اس کے آخر میں تاء بصورت هاء ہوگی یا نہیں، اگر تاء

[7] یعنی وقف کرنا چاہتا ہے۔۱۲

[8] یعنی قاری کو اس صورت میں قطعِ نفس کے علاوہ کوئی اور عمل نہیں کرنا پڑیگا، کیونکہ موقوف علیہ ساکن تو پہلے سے ہی ہے، رہا انقطاعِ صوت؟ سو وہ انقطاعِ نفس سے خود بخود ہو جائیگا، اور حرکت ہے نہیں کہ اسکو ساکن کرنے یا روم واشمام کی وجہ سے اسکی طرف اشارہ کرنے کا سوال پیدا ہو۔۱۲

[9] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حرکتِ عارضی میں وقف بالروم اور وقف بالاشمام جائز نہیں ایسے موقع پر صرف وقف بالاسکان ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ کچھ آگے چل کر مؤلف رحمہ اللہ نے یہ چیز ایک مستقل فائدہ میں بالوضاحت بھی بیان کی ہے۔ پس جس طرح سکون اصلی یعنی فَلَا تَقْهَرْ ۝ اور فَحَدِّثْ ۝ جیسے کلمات پر وقف بالاسکان ہی ہوتا ہے اسی طرح حرکتِ عارضی میں بھی صرف بالاسکان ہی ہوتا ہے، وجہ اس کی حاشیہ نمبر ۱۷ کے ضمن میں آرہی ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ دوسری صورت میں تو موقوف علیہ کو خود ساکن کرنا پڑتا ہے اور پہلی صورت میں وہ پہلے ہی سے ساکن ہوتا ہے۔ اسی لیے پہلی صورت میں تو وقف بالسکون کہلاتا ہے اور دوسری صورت میں بالاسکان۔ دیکھو معلم التجوید کیفیتِ وقف کی بحث۔۱۲

[10] پس عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ میں میم اور اَنْذِرِ النَّاسَ میں راء بحالتِ وصل اگرچہ متحرک ادا ہوتے ہیں لیکن ان کی حرکت چونکہ عارضی ہے اسلئے کہ اصل کی رو سے یہ ساکن ہی تھے، پھر اجتماعِ ساکنین علٰی غیر حدّہٖ کی وجہ سے میم پر ضمہ اور راء پر کسرہ کی حرکت آگئی، لہٰذا عَلَيْهِمْ کے میم میں وقف بالروم یا بالاشمام اور اَنْذِرْ کی راء میں وقف بالروم جائز نہ ہوگا۔۱۲

بصورتِ ھاء[11] ہے تو وقف میں اس تاء کو ھائے ساکنہ[12] سے بدل دیں گے مثل رَحْمَةٌ، وَنِعْمَةً اور اگر ایسا نہ[13] ہو تو آخر حرف پر اگر دو زبر ہیں تو تنوین کو الف سے بدل دیں گے مثل سَوَآءً، هُدًى اور اگر حرفِ موقوف پر ایک زبر ہے تو وقف صرف اسکان[14] کیساتھ ہوگا مثل يَعْلَمُوْنَ ۝ کے اور اگر اخیر حرف پر ایک پیش یا دو پیش ہوں مثل وَبَرْقٌ،

[11] یعنی تاء مدوّرہ۔ تانیث کی ھاء کہیں تو گول [ة] کی صورت میں لکھی جاتی ہے اور کہیں لمبی [ت] کی صورت میں۔ پہلی صورت میں اس کو تائے مدوّرہ یا تائے مربوطہ کہتے ہیں اور دوسری صورت میں یہ تائے مجرورہ یا تائے مطولہ کہلاتی ہے۔ دونوں کی مثال سورۂ ابراہیم آیت: ۶و۲۸ میں دیکھی جاسکتی ہے، کیونکہ وہاں پہلے موقع میں تو تائے مدوّرہ سے نِعْمَةَ اللّٰهِ ہے اور دوسرے موقع میں تائے مطولہ سے نِعْمَتَ اللّٰهِ۔۱۲

[12] ھاء کیساتھ ساکنہ کی قید لگا کر مؤلفؒ نے بہت ہی لطیف پیرائے میں یہ بات سمجھادی کہ تاء مدوّرہ پر صرف وقف بالاسکان ہی ہوگا، رَوم اور اشمام جائز نہیں، کیونکہ رَوم میں تو حرکت کا کچھ حصہ زبان سے ادا ہوتا ہے اور اشمام میں حرکت کی طرف ہونٹوں سے اشارہ کیا جاتا ہے، پس ھاء صحیح معنیٰ میں ساکن صرف وقف بالاسکان ہی کی صورت میں ادا ہوتی ہے، لیکن رَوم اور اشمام اسی کلمہ میں منع ہیں جس میں تاء بصورتِ [ة] یعنی تاء مدوّرہ ہو اور جہاں تاء بصورتِ [ت] یعنی تاء مطولہ ہو وہاں یہ دونوں جائز ہیں۔ رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں کونسا کلمہ تاء مدوّرہ کیساتھ مرسوم ہے اور کونسا تاء مطولہ کیساتھ؟ سو اسکی تفصیل نصاب کی چوتھی کتاب یعنی مقدمۃ الجزریہ میں انشاء اللہ آجائیگی۔۱۲

[13] یعنی کلمہ موقوف علیہ کا آخری حرف تاء مدوّرہ نہ ہو۔۱۲

[14] یعنی رَوم واشمام نہ ہوں گے۔ رَوم کے ممتنع ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ فتحہ خفیف ترین حرکت ہے جس کو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا، جب اسے ادا کیا جاتا ہے تو یہ کامل ہی ادا ہوتا ہے، اور رَوم نام ہے تبعیضِ حرکت یعنی حرکت کا کچھ حصہ ادا کرنے کا۔ اور اشمام اسلئے جائز نہیں کہ اشمام کہتے ہیں ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنے کو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی حرکت کی طرف اشارہ کرنا اسی صورت میں جائز ہوسکتا ہے جب وہ حرکت اصل میں موجود بھی ہو۔۱۲

یَفْعَلُ تو وقف اسکان اور اشمام اور رَوم تینوں سے جائز ہے۔ اشمام کے معنیٰ ہیں: حرف کو ساکن کر کے ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا، اور رَوم کے معنیٰ ہیں: حرکت کو خفی صوت[۱۵] سے ادا کرنا۔ اور اگر اخیر حرف پر ایک زیر یا دو زیر ہوں مثل **ذُوانْتِقَامٍ**، **وَلَا فِي السَّمَآءِ** تو وقف میں اسکان اور رَوم[۱۶] دونوں جائز ہیں۔

۱ فائدہ: رَوم اور اشمام اسی حرکت پر ہو گا جو کہ اصلی ہو گی اور اگر حرکت عارضی ہو گی تو رَوم واشمام جائز نہ[۱۷] ہو گا مثل **اَنْذِرِ النَّاسَ**، **عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ**۔

۲ فائدہ: رَوم کی حالت میں تنوین حذف ہو جائے گی جیسا کہ ھائے ضمیر کا صلہ وقف بالروم اور بالاسکان[۱۸] میں حذف ہو جاتا ہے مثل: **بِهٖ**، **لَهٗ** کے۔

---

[۱۵] رَوم کی تعریف دو طرح سے کی گئی ہے:۔ ایک وہ جو آپ معلم التجوید میں پڑھ چکے ہیں یعنی حرفِ موقوف علیہ کی حرکت کا تیسرا حصہ ادا کرنا اور دوسری وہ جو یہاں مرقوم ہے یعنی موقوف علیہ کی حرکت کو صوتِ خفی (پست آواز) سے ادا کرنا، یہ دونوں تعریفیں درست اور صحیح ہیں اور فن کی معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں اور دونوں تعریفیں نتیجہ اور مآل کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ کیونکہ ثلثِ حرکت کیلئے آواز کا پست کرنا ضروری ہے، پوری آواز کیساتھ حرکت کی تہائی ادا نہیں ہو سکتی اور ایسے ہی صوتِ خفی کیساتھ پوری حرکت ادا نہیں ہو سکتی، اس سے تو حرکت کا کچھ حصہ ہی ادا ہو گا۔ فَتَاَمَّلْ۔۱۲

[۱۶] پس اشمام یہاں بھی جائز نہیں۔ اور وجہ یہاں بھی وہی ہے جو فتحہ میں ہے کہ اشمام سے جس حرکت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے وہ حرکت موجود نہیں۔۱۲

[۱۷] حرکتِ عارضی میں رَوم واشمام کے ناجائز ہونے کی وجہ حرف کی اصلی حالت کو مدنظر رکھنا ہے کیونکہ ایسے موقعوں میں حرف اصل کی رو سے ساکن ہی ہوتا ہے اور حرکت اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے عارض ہو جاتی ہے، لہٰذا **فَلَا تَقْهَرْ** اور **فَحَدِّثْ** وغیرہ کی طرح **اَنْذِرِ** کی راء اور **عَلَيْكُمُ** کی میم میں بھی صرف وقف بالاسکان ہی کو جائز رکھا گیا ہے **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ**۔

[۱۸] ھاء ضمیر کا صلہ جس طرح اسکان اور رَوم میں حذف ہو جاتا ہے اسی طرح اشمام میں بھی حذف

۳ **فائدہ:** اَلظُّنُوْنَا۠ اور اَلرَّسُوْلَا۠ اور اَلسَّبِیْلَا۠[19] جو سورۂ احزاب میں ہے اور پہلا قَوَارِیْرَا۠ جو سورۂ دہر میں ہے اور اَنَا۠ جو ضمیر مرفوع منفصل ہے،

ہو جاتا ہے، مگر چونکہ اسکان اور اشمام دونوں حرکت کے زبان سے ادا نہ ہونے میں یکساں ہیں اور صلہ نام ہے اشباعِ حرکت کا، اس لیے مؤلف رحمہ اللہ نے اسکان کے ساتھ اشمام کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔۱۲

[19] اَلظُّنُوْنَا۠ اور اَلرَّسُوْلَا۠ وغیرہ کے آخر میں وقفاً الف پڑھنے کی ظاہری وجہ تو اتباعِ رسم ہے کیونکہ یہ معلوم ہی ہے کہ وقف رسم کے تابع ہوتا ہے اور ان سب کے آخر میں الف لکھا ہوا ہے جبکہ اصل وجہ پہلے چار میں فواصل کی، سَلٰسِلَا۠ میں لاحق مجاور کی اور لٰکِنَّا۠ میں اصل کی رعایت ہے اور لفظ اَنَا۠ میں الف کا ثابت رکھنا التباس سے بچنے کی بنا پر ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے:-

❋ اَلظُّنُوْنَا۠، اَلرَّسُوْلَا۠، اَلسَّبِیْلَا۠ اور پہلا قَوَارِیْرَا۠ یہ چاروں رؤوسِ آیات ہیں اور ان کے جانبین میں جو آیتیں واقع ہیں وہ چونکہ الف پر ختم ہوتی ہیں اس لیے ان کے آخر میں بھی الف پڑھا گیا تاکہ تمام آیتیں ایک ہی طرح کے الفاظ پر ختم ہوں، یہی مطلب ہے رعایتِ فواصل کا۔ اور فواصل کہتے ہیں قرآنی آیتوں کے آخری کلمات کو۔

❋ لاحق مجاور سے مراد وَاَغْلٰلًا اور وَسَعِیْرًا۠ ہیں۔ پس سَلٰسِلَا۠ پر بالالف وقف کرنے سے یہ بھی انہی کی طرح ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ رعایت کوئی ایسی ضروری بھی نہیں، اسلئے اس پر بلا الف یعنی لام پر وقف کرنا بھی جائز ہے۔

❋ لٰکِنَّا۠ میں اصل کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصل لٰکِنْ اَنَا ہے، پس جس طرح لفظ اَنَا۠ میں وقفاً الف پڑھا جاتا ہے ایسے ہی اس میں بھی پڑھا جاتا ہے۔

❋ اور خود لفظ اَنَا۠ میں الف پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر الف نہ پڑھتے تو وقفاً نون کو ساکن کرنا پڑتا اور اس سے یہ اَنْ ناصبہ، یا اَنْ مخففہ کیساتھ ملتبس ہو جاتا۔ یا یہ وجہ ہے کہ جس طرح اس لفظ میں ایک لغت اَنَ یعنی بغیر الف کے ہے اسی طرح ایک دوسری لغت اَنَا یعنی الف کیساتھ بھی ہے، پس وقفاً الف کا اثبات اس دوسری لغت کے موافق ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔۱۲

ایسے ہی لٰکِنَّاْ جو سورۂ کہف میں ہے، ان کے آخر کا الف وقف میں پڑھا جائے گا اور وصل میں نہیں پڑھا جائیگا اور سَلٰسِلَاْ جو سورۂ دہر میں ہے جائز ہے وقف کی حالت میں اثباتِ الف اور حذفِ الف۔

[۴] **فائدہ:** آیات پر وقف کرنا زیادہ اَحب اور مستحسن[۲۰] ہے اور اس کے بعد جہاں [م] لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں [ط] لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں [ج] لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں [ز] لکھی ہو۔ اور اولیٰ پر غیر اولیٰ کو ترجیح نہ دینا چاہیئے (یعنی آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف کرنا) یا م کی جگہ وصل کر کے ط وغیرہ پر وقف کرنا۔ بلکہ ایسا انداز رکھے کہ جب سانس توڑے تو آیت پر یا م ط پر۔ بعض کے نزدیک جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی[۲۱] ہو تو وہاں پر وصل اولیٰ ہے فصل سے۔ اور وصل کی جگہ صرف وقف یا وقف کی جگہ صرف وصل کرنے سے معنیٰ نہیں بدلتے اور محققین کے نزدیک نہ گناہ نہ کفر ہے[۲۲]، البتہ قواعدِ

---

[۲۰] آیات پر وقف کرنا اَحب اور پسندیدہ اسلیئے ہے کہ یہ سنّت سے ثابت ہے، بخلاف علاماتِ وقف کے، کہ یہ علمائے اوقاف کی لگائی ہوئی ہیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا اور اس کی توفیق شامل حال رہی تو التبیان میں اس موضوع پر شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا جائے گا۔۱۲

[۲۱] جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی ہوتا ہے، ایسی آیت پر عام طور سے لا لکھا ہوا ہوتا ہے اور ایسے موقع پر بعض کے نزدیک فصل سے وصل اسلیئے اولیٰ ہے کہ یہاں کلام پورا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہاں وقف کیا جائے تو اب رأسِ آیت ہونے کی وجہ سے ماقبل سے اعادہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، مابعد سے ہی ابتداء کی جائے گی۔۱۲

[۲۲] سبحان اللہ! عجیب انداز اور بہت ہی لطیف پیرایہ میں مؤلف رحمہ اللہ نے یہ بات سمجھا دی کہ قاری کا یہ عمل یعنی: وقف کی جگہ وصل یا وصل کی جگہ وقف موجبِ گناہ یا کفر نہیں جب تک کہ گناہ یا کفر کا موجب نہ پایا جائے اور وہ موجب یہ ہے کہ قاری اس غلط اور قبیح معنیٰ کا قصد کرے جو بے موقع وقف یا وصل سے متوہم ہوتے ہیں، پس اس صورت میں یہ وقف اور یہ وصل یقیناً موجبِ

عرفیہ[۲۳] کے خلاف ہے جن کا اتباع کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ ایہام معنیٰ غیر مراد لازم نہ آئے۔ ایسا ہی اعادہ میں بھی لحاظ[۲۴] رکھنا چاہیے، بعض جگہ اعادہ نہایت قبیح ہوتا ہے جیسا کہ

گناہ یا موجبِ کفر ہوگا۔ لیکن یہ حقیقت مخفی نہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے اولاً تو عام طور پر اس زمانہ میں قرآن کے معنیٰ سے ناواقف ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ان کا وقف کی جگہ وصل یا وصل کی جگہ وقف موجبِ گناہ اور اس سے بڑھ کر موجبِ کفر کیسے ہوسکتا ہے اور جو معنیٰ سمجھتے ہیں تو انہیں ان قبیح اور غلط معنوں کے قصد کی ضرورت ہی کیا ہے جو گناہ یا کفر تک پہنچادیں! لہٰذا جو لوگ یہ لکھ دیتے ہیں کہ وقفِ لازم کے موقع پر نہ ٹھہرنا کفر ہے وہ غلطی پر ہیں اور ان کا یہ فیصلہ تحقیق کے سراسر خلاف ہے اور یہ جو فرمایا کہ وقف کی جگہ وصل اور وصل کی جگہ وقف کرنے سے معنیٰ نہیں بدلتے تو یہ اس لیے کہ معنیٰ میں تبدیلی ان چار وجوہ کی بناء پر ہوتی ہے:۔

① حرف کے بدل جانے سے

② حرف میں کمی بیشی ہوجانے سے

③ حرکات میں تغیر وتبدل ہوجانے سے

④ حرکت کی جگہ سکون اور سکون کی جگہ حرکت پڑھنے سے

اور ظاہر ہے کہ وقف کی جگہ وصل اور وصل کی جگہ وقف کرنے سے اس قسم کی کوئی شکل پیدا نہیں ہوتی اسلئے اس سے معنیٰ نہیں بدلتے اور جب معنیٰ نہیں بدلتے تو پھر یہ عمل گناہ اور کفر کا موجب بھی نہیں ہوسکتا، ہاں! یہ ضرور ہے کہ وقف کی جگہ وصل اور وصل کی جگہ وقف سے غلط اور قبیح معنیٰ کے توہم کا احتمال ہوتا ہے، اسلئے اس توہّم سے بچنے کی غرض سے ایسے موقعوں پر بجائے وصل کے وقف اور بجائے وقف کے وصل عرفاً منع ہے، اور ایسے وقف کو کہ جس کے بجائے وصل کرنے سے قبیح معنیٰ کا توہّم ہو "وقفِ اتم" اور اس وقف کو جس کے کرنے سے قبیح معنیٰ کا توہّم ہو "وقفِ قبیح" کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں کی مثالیں معلم التجوید میں لکھی جاچکی ہیں۔ ۱۲

[۲۳] قواعدِ عرفیہ سے مراد وہ قواعد ہیں جن کی اتباع عند القراء ضروری ہے۔ ۱۲

[۲۴] یعنی وقف کی طرح اعادہ میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ایسے موقع سے نہ ہو جہاں

وقف کہیں حَسَن، کہیں احسن[۲۵]، کہیں قبیح اور کہیں اقبح ہوتا ہے۔ ایسا ہی اعادہ بھی چار قسم[۲۶] ہے تو جہاں سے اعادہ حَسَن یا احسن ہو وہاں سے کرنا چاہیئے، ورنہ اعادہ قبیح سے ابتداء بہتر ہے مثلاً قَالُوٓا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ سے اعادہ حَسَن ہے اور اِنَّ اللّٰہَ سے قبیح ہے۔

۵ **فائدہ:** تمام اوقاف پر سانس توڑنا باوجود دَم ہونے کے، ایسا نہ چاہیئے۔ قاری کی مثال مثل مسافر اور اوقاف کو مثل منازل کے لکھتے ہیں، تو جب ہر منزل پر بلا ضرورت ٹھہرنا فضول اور وقت کو ضائع کرنا ہے تو ایسا ہی ہر جگہ وقف کرنا فعلِ عبث ہے۔ جتنی دیر وقف کرے گا اتنی دیر میں ایک دو کلمہ ہو جائیں گے، البتہ لازم و مطلق پر اور ایسے ہی جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی[۲۷] نہ ہو، ایسی جگہ وقف کرنا ضروری[۲۸] اور مستحسن ہے۔ اور کلمہ کو محض

سے اعادہ کرنے کی صورت میں غلط معنیٰ متوہّم ہوتے ہیں، کیونکہ اس سے بھی وہی خرابی لازم آتی ہے جو بے جا وقف کرنے سے آتی ہے۔ (دیکھو حاشیہ نمبر ایک)

[۲۵] حَسَن اور احسن، وقف کی یہ قسمیں غالباً لغوی معنیٰ کی رو سے بیان فرمائی ہیں، ورنہ اصطلاحاً تو اقسامِ وقف کے نام وہی ہیں جو معلم التجوید میں بیان کیے گئے ہیں یعنی تام، کافی اور حَسَن وغیرہ۔ اور ممکن ہے کہ تام اور کافی ان دونوں پر ایک ہی لفظ یعنی احسن کا اس بناء پر اطلاق کر دیا ہو کہ ان کا حکم ایک ہی ہے یعنی یہ کہ مابعد سے ابتداء کی جائے اور حَسَن خود اصطلاحی نام ہے۔ ۱۲

[۲۶] اعادہ کے چاروں اقسام کی وضاحت مع امثلہ کے معلم التجوید میں درج ہو چکی ہے، ضرورت ہو تو وہاں دیکھیں۔ ۱۲

[۲۷] یعنی جس پر لا لکھا ہوا نہ ہو اور ایسی آیت کو عام بول چال میں پکی آیت کہتے ہیں۔ ۱۲

[۲۸] لازم، مطلق اور پکی آیت پر ٹھہرنے کو ضروری اس وجہ سے فرما رہے ہیں کہ جب بہتر یہ ہے کہ وقف کم سے کم موقعوں پر کیا جائے تو پھر کیوں نہ ایسے ہی موقعوں پر کیا جائے جہاں کلام لفظ و معنیٰ دونوں کی رو سے پورا ہوتا ہو، اور ایسے مواقع صرف یہی تین ہیں۔ علاوہ ازیں اگر ان موقعوں پر وقف نہیں کیا جائے گا تو پھر لازماً دوسری کسی علامت پر، یا یوں ہی کہیں درمیان میں کرنا پڑے گا۔

ساکن کرنا، یا اور جو احکام[29] وقف کے ہیں ان کو کرنا بلا سانس توڑے، اس کو وقف نہیں[30] کہتے، یہ سخت غلطی ہے۔

۶ فائدہ: کلمات میں تقطیع اور سکتات[31] نہ ہونا چاہیئے خصوصاً سکون[32] پر، البتہ جہاں روایتاً

کیونکہ وقف کی ضرورت تو بہر حال پیش آئے گی ہی اور ان جگھوں کی یہ حیثیت ہوگی نہیں۔ نیز یہ کہ ان موقعوں پر وقف کرنے کی صورت میں ماقبل سے اعادہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بلکہ مابعد سے ابتداء ہی کی جاتی ہے۔ اس لیے ایسے موقعوں پر وقف کرنے کے بعد قاری کو یہ تردّد بھی نہیں ہوتا کہ کون سے کلمہ سے اعادہ کرے۔ اور یہاں "ضروری" بمعنیٰ "مستحسن" ہے بمعنیٰ شرعی واجب نہیں جیساکہ متن سے بھی ظاہر ہے۔۱۲

[29] مثلاً وقف بالابدال میں دو زبر کے تنوین کو الف سے بدل دینا، یا بالاشمام میں ہونٹوں کو گول کر دینا وغیرہ وغیرہ۔۱۲

[30] محل وقف کو اختصار کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد آخر میں پھر کیفیتِ وقف کی صحت کے اہتمام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور چونکہ سانس کا توڑنا وقف کا جزو اعظم ہے جو ہر قسم کے وقف میں قدرِ مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے، اسلئے اس کی خصوصیّت کیساتھ تاکید فرمارہے ہیں۔۱۲

[31] سکتہ اور تقطیع کیفیت کے اعتبار سے تو یہ دونوں ایک ہیں البتہ محل کے اعتبار سے ان دونوں میں فرق ہے، وہ یہ کہ کلمہ کے آخر پر سانس لیے بغیر بہت ہی تھوڑی دیر کیلئے آواز کو توڑ دینا، یہ تو سکتہ ہے اور یہی عمل اگر کلمہ کے درمیان کیا جائے تو اسکو تقطیع کہتے ہیں۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ کی دال یا لِلّٰهِ کی ھاء پر اگر سانس لیے بغیر آواز کو توڑ دیا تو یہ سکتہ ہوگا اور اگر اَلْحَمْدُ میں میم پر اور اَلرَّحْمٰنِ میں حاء پر آواز کو توڑا تو اس کو تقطیع کہیں گے، کیونکہ یہ دونوں کلمہ کے درمیانی حرف ہیں اور وہ سکتات جو شاطبیہ یا طیبہ کے طریق سے بعض قراءتوں میں روایۃً ودرایۃً ثابت ہیں اور کلمہ کے آخر میں بھی اور درمیان میں بھی ہوتے ہیں ان کو اس غلطی پر قیاس کرنا فاحش غلطی ہے۔۱۲

[32] تقطیع اور سکتات کا زیادہ تر احتمال چونکہ سکون پر ہی ہوتا ہے کیونکہ طبیعت کے اندر قطعِ صوت کا تقاضا بالعموم حرفِ ساکن پر ہی پیدا ہوتا ہے، اس لیے اس حالت میں اس غلطی سے بچنے کی

ثابت ہوا ہے وہاں سکتہ کرنا چاہیئے[۳۳] اور یہ چار جگہ ہے جیسا کہ پہلے بیان[۳۴] ہو چکا ہے۔ آیات پر سکتہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں[۳۵] ہے۔ اور عوام میں جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے، اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہو جایگا، یہ سخت غلطی[۳۶] ہے، وہ سات جگہ یہ ہیں:۔ دُلِلْ، هِرَبْ، كِيَوْ، كَنَعْ، كَنَسْ، تَعَلْ، بِعَلْ۔ اگر ایسا ہی کسی کلمہ کا اول، کسی کلمہ کا آخر ملا کر کلمات گڑھ لیے جائیں تو اور بھی بہت سے سکتے نکلیں گے جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ "شرح مقدمہ جزریہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

خصوصی تاکید فرمار ہے ہیں۔۱۲

[۳۳] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تقطیع تو کہیں بھی جائز نہیں۔ البتہ سکتہ بعض مواقع میں ثابت ہے اور وہاں اس کا کرنا ضروری ہے۔۱۲

[۳۴] یعنی ادغام کی بحث میں۔۱۲

[۳۵] شمائلِ ترمذی کی ایک روایت میں اُمّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءۃ کی کیفیت اس طرح منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ تلاوت میں آیات پر وقف فرماتے تھے، چنانچہ امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے سورۂ فاتحہ کی چند ابتدائی آیتیں اس کیفیت کے ساتھ پڑھ کر بھی سنائیں تو اس حدیث کی شرح میں علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہاں وقف سے مراد سکتہ ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رؤوسِ آیات پر بغیر ثبوتِ روایت کے بھی اس غرض سے سکتہ کرنا جائز ہے تاکہ قاری وصلاً پڑھتے ہوئے بھی رأسِ آیت ہونا ظاہر کرتا چلا جائے (نہایۃ القول المفید مطبوعہ بیروت، ص: ۱۷۹)۔ اسی لیے مؤلف رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ آیات پر سکتہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔۱۲

[۳۶] سورۂ فاتحہ میں اَلْحَمْدُ اور لِلّٰهِ وغیرہ پر سکتات کے ناجائز ہونے و نیز ان مواقع میں سکتہ کرنے والوں کی دلیل کے غلط ہونے پر اس سے زیادہ تفصیل کیساتھ معلم التجوید میں تبصرہ کیا جا چکا ہے، اسلیئے اب ان حواشی میں اس موضوع پر کچھ کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔۱۲

وَمَا اشْتَهَرَ [۳۷] عَلٰى لِسَانِ بَعْضِ الْجَهَلَةِ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِيْ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ لِلشَّيْطٰنِ كَذَا مِنَ الْاَسْمَاءِ فِيْ مِثْلِ هٰذِهِ التَّرَاكِيْبِ مِنَ الْبِنَاءِ، فَخَطَأٌ فَاحِشٌ وَاِطْلَاقٌ قَبِيْحٌ ثُمَّ سَكْتُهُمْ عَلٰى نَحْوِ: دَالِ الْحَمْدِ وَكَافِ اِيَّاكَ وَاَمْثَالِهَا غَلَطٌ صَرِيْحٌ۔

۷ **فائدہ:** كَاَيِّنْ میں جو نون ساکن ہے، یہ نون تنوین [۳۸] کا ہے اور مرسوم ہے۔ اس لفظ کے سوا مصحفِ عثمانی میں کہیں تنوین نہیں لکھی جاتی۔ اور قاعدہ سے یہاں تنوین وقف کی حالت میں حذف ہونا چاہیئے مگر چونکہ وقف تابع رسم خط کے ہوتا ہے اور یہاں تنوین مرسوم ہے، اس وجہ سے وقف میں ثابت رہے گی۔

۸ **فائدہ** [۳۹]: آخر کلمہ کا حرفِ علت جب غیر مرسوم ہو تو وقف میں بھی محذوف ہوگا اور

---

[۳۷] وَمَا اشْتَهَرَ ..... الخ کا ترجمہ یہ ہے کہ بعض جہلاء کی زبان پر جو یہ مشہور ہے کہ قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ کے اندر دُلِلْ، هِرَبْ وغیرہ جیسی تراکیب میں شیطان کے سات نام ہیں تو یہ قطعاً غلط اور بیہودہ قول ہے اور پھر ان لوگوں کا اَلْحَمْدُ کی دال، اِيَّاكَ کے کاف اور ان جیسے دوسرے کلمات پر سکتہ کرنا کھلی ہوئی اور واضح غلطی ہے۔ ۱۲

[۳۸] مطلب مؤلف رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ كَاَيِّنْ کی موجودہ رسم اگرچہ نون ساکن سے ہے لیکن اصل کی رو سے یہاں تنوین ہے یعنی یا مِنون ہے، اور اگرچہ مصحفِ عثمانی کی رسم کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جر اور رفع کی تنوین لکھنے میں نہیں آتی لیکن خاص اس کلمہ میں اس عام قاعدہ کے خلاف جر کی تنوین بصورتِ نون مرسوم ہے، تو جب صورت حال یہ ہے تو پھر اس کلمہ پر وقف بھی اس کی رسم کے موافق نون ساکن پر ہی ہوگا۔ لفظ کی اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے حذفِ تنوین کیساتھ یعنی یا مِر پر نہیں کریں گے کیونکہ وقف رسم کے تابع ہوتا ہے۔ ۱۲

[۳۹] اس فائدہ کے ضمن میں کیفیتِ وقف سے متعلق ایک عام اصول اور ضابطہ بیان فرمایا ہے جس کا

جو مرسوم ہوگا وہ وقف میں بھی ثابت ہوگا۔ ثابت فی الرسم کی مثال وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ، لَا تَسْقِي الْحَرْثَ اور محذوف فی الرسم کی مثال فَارْهَبُوْنِ، وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ سورۂ نساء میں، نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ سورۂ یونس میں، مَتَابِ، عِقَابِ سورۂ رعد میں، (مگر سورۂ نمل میں جو فَمَآ اٰتٰنِۦَ اللّٰهُ ہے، اسکی یاء باوجودیکہ غیر مرسوم ہے وقف میں جائز ہے اثبات اور حذف، اس واسطے کہ وصل میں حفص رحمہ اللہ اس کو مفتوح پڑھتے ہیں)، وَيَدْعُ الْاِنْسٰنُ سورۂ اسراء میں، وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبٰطِلَ سورۂ شوریٰ میں، يَدْعُ الدَّاعِ سورۂ قمر میں، سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ سورۂ علق میں، اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ سورۂ نور میں، اَيُّهَ السّٰحِرُ سورۂ زخرف میں، اَيُّهَ

خلاصہ یہ ہے کہ وقف رسم کے تابع ہے، اصل و وصل کے تابع نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی حرف لکھا ہوا نہیں ہے تو وہ وقف میں پڑھا بھی نہیں جائیگا، خواہ وہ اصل کی رو سے موجود ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایسے ہی اگر کوئی حرف وصل میں کسی وجہ سے نہ پڑھا جاتا ہو لیکن لکھا ہوا ہو تو وہ وقف میں ثابت رہے گا۔ دونوں طرح کے الفاظ کی مثالیں متن میں موجود ہیں اور یہ مسئلہ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ معلم التجوید میں کیفیتِ وقف کی بحث میں بیان ہو چکا ہے۔ ۱۲

[۴۰] یعنی مصاحفِ عثمانیہ میں غیر مرسوم ہے، ورنہ موجودہ قرآنوں میں تو لکھی ہوئی ہے۔ اور اسی بات کے ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ یاء عثمانی مصاحف میں مرسوم نہیں تھی بلکہ حرکات اور نقطوں کی طرح عوام الناس کی سہولت کی خاطر بعد کو لکھی گئی ہے، اس کو نون کے ساتھ ملا کر نہیں لکھتے بلکہ اس سے جدا لکھتے ہیں۔ ۱۲

[۴۱] مطلب یہ ہے کہ فَمَآ اٰتٰنِ کی یاء کی رسم کا تقاضا تو یہ ہے کہ وقف صرف حذفِ یاء سے ہو کیونکہ یہ مرسوم نہیں اور وقف رسم کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ ابھی گزرا، مگر چونکہ حضرت حفص رحمہ اللہ اس کو وصل میں مفتوح پڑھتے ہیں اسلئے وصل کی رعایت سے وقف میں اس کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے، پس رسم کی رعایت سے حذف اور وصل کی رعایت سے اثبات دونوں جائز رکھے گئے ہیں۔ ۱۲

الثَّقَلٰنِ سورۂ رحمٰن میں۔ البتہ اگر تماثل فی الرسم[۴۲] کی وجہ سے غیر مرسوم ہوگا تو اس قسم کا محذوف وقف میں ثابت ہوگا۔ اس کی مثال يُحْيِ، وَيَسْتَحْيِ، وَاِنْ تَلْوٗا،

[۴۲] تماثل فی الرسم کا مطلب یہ ہے کہ لکھائی میں ایک جیسا ہونا جس طرح مثلین اور متجانسین کے جمع ہونے کی صورت میں اہلِ ادا تخفیفاً دونوں کو ایک ذات کر کے ایک مشدّد حرف کی طرح پڑھتے ہیں جس کو ادغام کہتے ہیں، اسی طرح اہل رسم کا یہ دستور ہے کہ جس کلمہ میں ایک طرح کے دو یا تین حرف مثلاً دو یاء، دو واؤ اور دو الف آپس میں مل کر آتے ہیں وہاں بعض موقعوں میں تخفیف کی غرض سے صرف ایک ہی حرف لکھتے ہیں، اور دوسرے کو اور اگر تین ہوں تو دو کو رسم سے حذف کر دیتے ہیں، تو اب متن کے اس فقرہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی کلمہ کے آخر سے کسی حرفِ علت کا حذف تماثل فی الرسم کی وجہ سے ہوا ہوگا تو وہاں اس مذکورہ بالا قاعدہ کو یعنی یہ کہ وقف رسم کے تابع ہوتا ہے جاری نہیں کریں گے، بلکہ باوجود رسماً محذوف ہونے کے بھی وقف میں ایسے حرفِ علت کو ثابت رکھیں گے۔ چنانچہ اس قاعدہ کی مثالوں میں سے:۔

- يُحْيِ اور يَسْتَحْيِ میں بجائے دو یاء کے صرف ایک یاء
- لِتَسْتَوٗا اور وَاِنْ تَلْوٗا میں بجائے دو واؤ کے صرف ایک واؤ
- جَآءَ میں بجائے دو الفوں کے صرف ایک الف، اور
- مَآءً، سَوَآءً اور تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ میں بجائے تین تین الفوں کے صرف ایک ایک الف ہی لکھا ہوا ہے۔

پہلی دو مثالوں میں ایک یاء، دوسری دو مثالوں میں ایک واؤ، تیسری مثال جَآءَ میں ایک الف اور چوتھی تین مثالوں مَآءً وغیرہ میں دو دو الف تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف ہیں، لیکن اس حذف کا وقف میں اعتبار نہ ہوگا اور یہ حروف باوجود محذوف الرسم ہونے کے بھی وقف میں ثابت رہیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ جَآءَ میں دو اور مَآءً وغیرہ میں تین تین الف اصل کی رو سے کیسے تھے؟ سو اس کا جواب آئندہ حواشی میں آرہا ہے۔ ۱۲

لِتَسْتَوٗا، جَآءَ، مَآءً، سَوَآءً، تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ۔

۴۳ کلمہ جَآءَ کی دو حیثیتیں ہیں :- ایک موجودہ اور ایک اصلی۔

① موجودہ صورت کے لحاظ سے تو اس کا ہمزہ متحرک متطرف بعد ساکن کے ہے اور ایسی صورت میں قواعدِ رسم کے لحاظ سے ہمزہ محذوف الصورت ہوتا ہے۔

② اصل کی رو سے اس میں ہمزہ متحرکہ بعد حرکت کے ہے، کیونکہ جَآءَ اصل میں جَیَأَ تھا بَیَعَ کی طرح، پس ہمزہ یائے متحرک کے بعد تھا اور ہمزہ کی رسم کے قواعد کی رو سے ہمزہ مفتوحہ جو فتحہ کے بعد ہو بصورتِ الف لکھا جاتا ہے، پس یہاں ایک الف تو یاء کے بدلے میں ہونا چاہیے تھا اور ایک ہمزہ کی صورت میں، مگر اہلِ رسم نے لکھنے میں صرف ایک ہی پر اکتفا کیا ہے اور دوسرے کو تماثل کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔

چنانچہ یہاں مؤلف رحمہ اللہ نے اس کی اصل ہی کو مدنظر رکھ کر تماثل فی الرسم کی مثالوں میں ذکر فرمایا ہے، ورنہ موجودہ شکل کے لحاظ سے تو یہ ان امثلہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور عین کا سرا جو الف کے بعد ہے وہ ہمزہ کی شکل نہیں بلکہ اس کی علامت ہے اور ہمزہ یہاں محذوف ہی ہے۔ (دیکھو معلم التجوید رسم کی بحث)

❁ اور مَآءً، سَوَآءً میں اصل کی رو سے تین تین الف اس طرح ہیں کہ ایک الف بنائی ہے یعنی مَآءً میں میم کے اور سَوَآءً میں واؤ کے بعد والا الف، ایک ہمزہ متحرکہ متوسطہ کی صورت میں اور ایک نصبی تنوین کی صورت میں، لیکن لکھنے میں اہلِ رسم نے صرف ایک ہی الف پر اکتفا کیا ہے اور باقی دو کو تماثل کی وجہ سے حذف کر دیا ہے، لیکن یہ توضیح صرف منصوب منون ہی میں جاری ہے کیونکہ اس کی باقی صورتوں میں حذف تماثل کی وجہ سے نہیں بلکہ وضعاً یعنی ہمزہ کی رسم کے عام قواعد کے موافق ہے۔

❁ اور تَرَآءَ میں تین الف ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ ایک بنائی جو راء کے بعد ہے، ایک ہمزہ کی شکل اور ایک لام کلمہ کی یاء کے بدلے میں ہونا چاہیے، کیونکہ تَرَآءَ اصل میں تَرَآءَیَ بروزن تَفَاعَلَ تھا، پس یہاں بھی صرف ایک ہی کے لکھنے پر اکتفا کیا ہے اور باقی دونوں کو تماثل

۹ **فائدہ:** لَا تَأْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ اصل میں لَا تَأْمَنُنَا دو نون[۴۴] ہیں، اور پہلا نون مضموم ہے دوسرا مفتوح اور لَا نافیہ ہے۔ اس میں محض اظہار[۴۵] اور محض ادغام جائز نہیں بلکہ ادغام کیساتھ اشمام ضرور کرنا چاہیئے اور اظہار کی حالت میں رَوم ضروری[۴۶] ہے۔

فی الرسم کی بناء پر حذف کر دیا ہے، لیکن اس حذف کا وقف پر اثر نہیں پڑے گا بلکہ وقفاً یہ الف پڑھے جائیں گے، پس جَآءَ کو وقفاً جَآءْ، مَآءً کو مَآءْ، سَوَآءً کو سَوَآءْ اور تَرَآءَ کو تَرَآءْ ہی پڑھیں گے۔۱۲

[۴۴] جن میں سے پہلا تو لام کلمہ کا ہے اور دوسرا جمع متکلم کی ضمیر کا اور اس کا وزن لَا تَفْعَلُنَا ہے۔۱۲

[۴۵] محض اظہار کا مطلب ہے: کامل اظہار۔ یعنی پہلے نون کے ضمہ کو اس طرح کامل ادا کیا جائے جس طرح کہ یَنْصُرُنَا میں راء کے ضمہ کو ادا کرتے ہیں۔

اور محض ادغام کا مطلب ہے: خالص ادغام۔ یعنی پہلے نون کا دوسرے نون میں اس طرح ادغام کیا جائے کہ مدغم کی حرکت کی طرف اشارہ بھی نہ ہو۔

❋ پس اس کلمہ میں یہ دونوں ہی صورتیں جائز نہیں، بلکہ اظہار کی حالت میں رَوم اور ادغام کی صورت میں اشمام ضروری ہے جیساکہ آگے متن میں بھی ہے۔

اور ادغام مع الاشمام کے ادا کی صورت یہ ہے کہ نون کی تشدید اور غنہ کے ادا کرتے وقت ہونٹوں کو اس طرح گول کرلیا جائے جس طرح کہ ضمہ میں کیے جاتے ہیں۔ اور اظہار مع الروم کے ادا کی صورت یہ ہے کہ نون کے ضمہ کو اسی طرح خفی صوت کے ساتھ ادا کیا جائے جس طرح کہ وقف بالروم میں کرتے ہیں۔۱۲

[۴۶] ادغام کی حالت میں اشمام تو اسلیئے ضروری ہے تاکہ کلمہ کی اصل کی طرف اشارہ ہوجائے۔ اور اظہار کی حالت میں رَوم اسلیئے ضروری ہے تاکہ ثقل رفع ہوجائے۔ اور وضاحت اس کی یہ ہے کہ لَا تَأْمَنَّا کی اصل لَا تَأْمَنُنَا ہے۔ یعنی پہلا نون مضموم ہے، پھر مثلین کے جمع ہونے و نیز ایک

۱۰ **فائدہ:** حرفِ مَبدوءؑ اور موقوف کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کامل طور سے ادا ہو۔ خاص کر جب ہمزہ یا عین موقوف کسی حرفِ ساکن کے بعد ہو مثل شَیْءٌ، سُوْٓءٍ، جُوْعٍ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسے موقع پر حرف بالکل نہیں ادا ہوتا یا ناقص ادا ہوتا ہے۔

ہی نون کے مرسوم ہونے کی بناء پر سب قراء نے یہاں ادغام کیا ہے، لیکن اکثر حضرات نے ادغام کے ساتھ اشمام کو بھی ضروری قرار دیا ہے تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس میں مدغم ساکن نہیں بلکہ مرفوع ہے اور چونکہ شرطِ ادغام موجود نہیں اس لیے اظہار کو بھی جائز رکھا ہے، لیکن اظہار کی حالت میں رَوم کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ اگر کامل ادغام نہیں تو اقرب الی الادغام تو ہو ہی جائے اور اجتماعِ مثلین سے پیدا شدہ ثقل کسی حد تک رفع ہو جائے۔

پس تماثل کا لحاظ کرتے ہوئے تو ادغام کیا گیا ہے اور فقدانِ شرط کو مدنظر رکھتے ہوئے اظہار۔ لیکن دونوں صورتوں میں دوسرے پہلو کی رعایت بھی رکھی گئی ہے، یعنی ادغام کی صورت میں تو مدغم کے متحرک ہونے کی اور اظہار کی صورت میں تماثل کے پائے جانے کی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ۔ اور اس ایک لفظ کے سوا روایتِ حفص رحمہ اللہ میں اور کہیں ایسا ادغام نہیں جس میں مدغم مرفوع ہو۔۱۲

۴۷ مبدوء یعنی جس کلمہ سے پڑھنا شروع کیا جائے اس کا پہلا حرف، اور موقوف اس کلمہ کا آخری حرف جس پر وقف کیا جائے۔ ان دونوں کے اہتمام کی طرف توجہ دلانے کی وجہ تو متن میں مذکور ہی ہے کہ خیال نہ کرنے سے یا تو حرف سرے سے ادا ہی نہیں ہوتا، یا ناقص ادا ہوتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس غلطی کا احتمال کیوں ہوتا ہے؟ سو جواب اس کا یہ ہے کہ:۔

❋ مبدوء میں تو یہ احتمال اسلئے ہوتا ہے کہ شروع میں جب سانس صوت میں متکیّف ہونے لگتی ہے تو بعض دفعہ ابھی اس کی ماہیت پوری طرح بدلنے نہیں پاتی کہ قاری قراءۃ شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے یہ صورت پیش آجاتی ہے۔

❋ موقوف میں یہ احتمال اسلئے ہوتا ہے کہ کبھی تو سانس کی تنگی کی وجہ سے اور کبھی عجلت کی وجہ

۱۱۱ **فائدہ:** نونِ خفیفہ قرآن شریف میں دو جگہ ہے:۔ ایک وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ۝ سورۂ یوسف: ۳۲ میں، دوسرا لَنَسْفَعًا سورۂ اقرأ میں۔ یہ نون وقف میں الف سے بدل جائیگا، اس وجہ سے کہ اس کی رسم الف کیساتھ ہے۔[۴۸]

سے حرفِ آخر کی آواز ابھی اچھی طرح ظاہر نہیں ہونے پاتی کہ سانس منقطع ہو جاتا ہے۔

❊ ہمزہ اور عین کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ ان کا مخرج تمام مخارج سے پہلے ہے اس لیے ان میں یہ اندیشہ اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۲

۴۸ جس طرح وَكَاَيِّنْ میں جر کی تنوین رسم عثمانی کے عام قاعدہ کے خلاف بصورتِ نون مرسوم ہے، اسی طرح لَيَكُونًا اور لَنَسْفَعًا کا نون عام ضابطہ کے خلاف نصبی تنوین کی طرح الف کی صورت میں مرسوم ہے اور جس طرح وہاں اصل کا لحاظ کرتے ہوئے تنوین کو حذف نہیں کرتے بلکہ رسم کا لحاظ کر کے وقف نون پر کرتے ہیں، ایسے ہی یہاں بھی اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے وقف نون کے ساتھ نہیں کرتے بلکہ رسم کا اعتبار کر کے الف کیساتھ کرتے ہیں کیونکہ ان نونوں کی رسم الف ہی کے ساتھ ہے۔

❊ رہا یہ سوال کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں جو نون ہے وہ نونِ خفیفہ ہے، تنوین نہیں؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ تنوین اسموں کا خاصہ ہے اور یہ دونوں فعل ہیں، پس لَيَضْرِبَنْ اور لَيَنْصُرَنْ کی طرح ان میں بھی نون خفیفہ ہی ہے تنوین نہیں، خوب سمجھ لو!

خاتمہ

پہلی فصل

جاننا چاہیے کہ قاری مقری کے واسطے چار علموں[1] کا جاننا ضروری ہے:۔

* ایک تو علم تجوید یعنی حروف کے مخارج اور اس کی صفات کا جاننا۔
* دوسرا علم اوقاف ہے یعنی اس بات کو جاننا کہ اس کلمہ پر کس طرح وقف کرنا چاہیے

خاتمہ

اصل مقصود کے بعد وہ مسائل جن پر کتاب کا اختتام منظور ہو، ان کے بیان کے لیے خاتمہ کا عنوان قائم کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے تین بابوں میں مؤلف رحمہ اللہ تجوید اور وقف سے متعلق اہم اور ضروری مسائل بیان فرما چکے ہیں۔ اب آخر میں خاتمہ کے زیرِ عنوان دو فصلوں میں قرآن مجید کی جمع و ترتیب، رسم عثمانی کی اہمیت اور اس کا حکم، علم قراءات کی حیثیت، قراءات کی قسمیں اور قرآن مجید کو خوش آوازی اور لہجہ کے ساتھ پڑھنے کا حکم، یہ چیزیں بیان فرما رہے ہیں، اور یہ سب چیزیں متعلقاتِ تجوید سے ہی ہیں۔

حواشی فصلِ اوّل

[1] یعنی علم تجوید، علم اوقاف، علم رسم عثمانی، اور علم قراءات، جیسا کہ متن کی آئندہ آنے والی عبارت سے ظاہر ہے۔ رہا یہ سوال کہ تجوید کے ساتھ باقی تین علموں کا کیا تعلق ہے اور قاری مقری کیلئے ان کا جاننا کیوں ضروری ہے؟ سو علم اوقاف کی اہمیت اور اس کی ضرورت پر تو وقف کی بحث کے حاشیہ نمبر ایک کے ضمن میں کلام کیا ہی جا چکا ہے، علم رسم اور علم قراءات کی اہمیت اسی فصل میں کچھ آگے چل کر خود مؤلف رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے۔

اور کس طرح نہ کرنا چاہیے اور کہاں معنیٰ کے اعتبار سے قبیح اور حَسن ہے اور کہاں لازم اور غیر لازم ہے۔

تجوید کے اکثر مسائل بیان ہو چکے ہیں اور اوقاف جو قبیلِ ادا[۲] سے ہیں وہ بھی بیان کر دیے گئے اور جو قبیلِ معانی[۳] سے ہیں مختصر طور پر ان کے رموز کا بھی جو دال علی المعانی[۴] ہیں بیان کر دیا اور بالتفصیل بیان کرنے سے کتاب طویل ہو جائیگی اور مقصود اختصار ہے۔

❋ تیسرے رسم عثمانی ہے، اسکا بھی جاننا نہایت ضروری ہے، یعنی کس کلمہ کو کہاں پر کس طرح لکھنا چاہیے، کیونکہ کہیں تو رسم مطابق تلفظ کے ہے اور کہیں غیر مطابق[۵]، اب اگر

[۲] یعنی اسکان، اشمام اور رَوم وغیرہ، جن کو کیفیاتِ وقف سے تعبیر کرتے ہیں، قبیلِ ادا سے یہاں یہی مراد ہے۔۱۲

[۳] یعنی تام، کافی حَسن اور قبیح وغیرہ، قبیلِ معانی سے یہی مراد ہیں۔ کیونکہ یہ وقوف مضمون اور معنیٰ ہی کو مدنظر رکھ کر لگائے گئے ہیں۔۱۲

[۴] یعنی معنیٰ پر دلالت کرنے والی۔ پس مطلب مؤلف رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ رسالہ ہذا میں کیفیاتِ وقف یعنی اسکان، اشمام اور رَوم کی تعریفات تو بیان کر دی گئی ہیں اور محلِ وقف یعنی تام، کافی وغیرہ کی تعریفات اور ان کے احکام کو تو بیان نہیں کیا، البتہ ان کی وہ رُموز جن سے ان اوقاف کی طرف اشارے کیے گئے ہیں، یعنی میم، طاء اور جیم وغیرہ بیان کر دی گئی ہیں مگر یہ بھی اختصار کے ساتھ، کیونکہ ان کی تفصیل بیان کرنے سے بھی کتاب لمبی ہو جاتی۔۱۲

[۵] مگر ایسے مواقع کہ جن میں رسم تلفظ کے مطابق نہیں، بہت کم ہیں اور اکثر موقعوں میں رسم تلفظ کے مطابق ہی ہے اور ان کم موقعوں میں بھی یہ عدمِ مطابقت کوئی اتفاقی یا خدانخواستہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نادانستہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ بہت ہی اہم مقاصد کے پیشِ نظر ان حضرات نے اس غیر مطابقت کو عمداً اختیار فرمایا تھا جس کی تفصیلات رسم کی کتابوں میں مل سکتی ہیں۔۱۲

ایسے مواقع پر جہاں مطابقت نہیں ہے وہاں لفظ کو مطابق رسم کے تلفظ کیا تو بڑی بھاری غلطی ہو جائیگی۔ مثلاً رَحْمٰن بے الف کے لکھا جاتا ہے اور بِاَیۡیدٍ سورۂ ذاریات میں دو یاء سے لکھا جاتا ہے اور لَاِ اْلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ، لَاْ اَوۡضَعُوۡا، لَا اْذْبَحَنَّهٗ، لَاَ اْنْتُمْ۔ ان چاروں جگہوں میں لام تاکید کا ہے اور لکھنے میں لام الف ہے، اب ان جگہوں میں مطابقتِ رسم سے لفظ مہمل[8] اور "مثبت" منفی ہو جاتا ہے اور یہ رسم توقیفی[9] اور سماعی ہے، اسکے

[6] یعنی کہیں تو کلمہ بجائے مثبت کے منفی ہو جائیگا اور کہیں سرے سے مہمل ہی ہو جائیگا، جیساکہ چند مثالوں کے بعد خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اس مطابقت کا یہی نتیجہ بیان فرمایا ہے۔۱۲

[7] لیکن ان چار میں سے لَاَ اْنْتُمْ میں الف کی زیادتی ضعیف ہے کیونکہ فن کی معتبر اور متداول کتابوں میں اسکا ذکر نہیں، لَاِ اْلَی اللّٰہِ اور لَاْ اَوۡضَعُوۡا یہ دونوں بعض مصاحف میں الف کی زیادتی سے ہیں اور بعض میں بلا الف، البتہ لَا اْذْبَحَنَّهٗ باتفاق جمیع اہلِ رسم الف کی زیادتی سے ہے۔ (از تعلیقاتِ مالکیہ ملخصاً)۔۱۲

[8] چنانچہ رَحْمٰن اور بِاَیۡیدٍ میں اگر تلفظ مطابق رسم کے کیا جائیگا تو کلمہ مہمل ہو جائیگا۔ اور اگر لَاَ اْنْتُمْ وغیرہ میں ایسا کیا جائیگا تو کلمہ بجائے مثبت کے منفی ہو جائیگا۔۱۲

[9] توقیف کے معنیٰ واقف کرنے اور بتانے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس رسم کو خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اختیار نہیں کیا تھا بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے اختیار کیا تھا اور لفظ "سماعی" کا مفہوم بھی یہی ہے، کیونکہ سماعی مقابل ہے قیاسی کا۔ پس مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ رسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسموع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر واملاء سے ثابت ومنقول ہے۔ اسمیں کسی کی رائے اور قیاس کو قطعاً دخل نہیں جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ویسے لکھ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو اپنے ارادہ اور اپنے اختیار سے قائم نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام کی توقیف اور ان کے بتانے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس رسم کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس بحث کی باقی تفصیلات آپ کو عمدۃ البیان فی نفائس القرآن

عرضہ[۱۴] اخیرہ کے مشاہد اور اسی عرضہ کے موافق جناب حضرت رسولِ مقبول ﷺ کو قرآن سنایا تھا اور باوجود سارے کلام مجید مع سبعہ احرف[۱۵] کے حافظ ہونے کے پھر بھی یہ احتیاط اور اہتمام تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم تھا کہ جو کچھ جس کے پاس قرآن شریف لکھا ہوا ہو وہ لاکر پیش کر دیں۔ اور کم از کم دو دو گواہ بھی ساتھ رکھتا ہو کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ لکھا گیا ہے اور جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسولِ مقبول ﷺ کے سامنے لکھا تھا ویسا ہی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے لکھوایا تھا، بلکہ بعض ائمہ اہلِ رسم اس کے قائل ہیں کہ یہ رسم عثمانی حضرت رسول اللہ ﷺ کے امر اور املاء[۱۶] سے ثابت ہوئی ہے۔ اس طرح پر یہ قرآن شریف باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس رسم خاص[۱۷] پر غیر

مراد یہاں قرآن ہی ہے۔ اور گو کتابتِ وحی کا کام بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کرتے تھے لیکن یہ چونکہ اس کام میں سب سے زیادہ ماہر اور اس فن کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اسلئے حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اس کام کا ذمہ دار اور نگرانِ اعلیٰ انہی کو مقرر فرمایا۔ ۱۲

[۱۴] عرضہ کے معنیٰ دَور کے ہیں اور عرضہ اخیرہ کا مطلب ہے آخری دَور۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر سال رمضان المبارک میں قرآن مجید کے نازل شدہ حصہ کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دَور فرمایا کرتے تھے اور جس رمضان کے بعد آپ ﷺ کا وصال ہوا تھا، اس میں جو دَور فرمایا اس کو عرضہ اخیرہ کہتے ہیں۔ ۱۲

[۱۵] یعنی وہ تمام لغاتِ عرب جن میں وحیِ الٰہی نے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی اجازت دی تھی انہی لغات کو سبعہ احرف کہتے ہیں۔ تفصیل عنایاتِ رحمانی شرح شاطبی مؤلفہ حضرت قاری فتح محمد صاحب کے مقدمہ میں دیکھئے۔ ۱۲

[۱۶] یعنی آپ ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کے لکھوانے سے۔ املا کے معنیٰ لکھوانے کے آتے ہیں۔

[۱۷] یعنی یہی موجودہ رسم جو بعض موقعوں میں تلفظ کے مطابق نہیں۔

معرب[18] غیر مُنقّط لکھا گیا۔ اس کے بعد قرنِ[19] ثانی میں آسانی کی غرض سے اعراب اور نقطے بھی حروف میں دے دیے گئے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ رسم توقیفی ہے۔ ورنہ جس طرح ائمہ دین نے اعراب اور نقطے آسانی کیلئے دیے ہیں، ایسا ہی رسم غیر مطابق کو مطابق کر دیتے۔ اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم اس غیر مطابق اور زوائد کو دیکھتے اور پھر اس کی اصلاح نہ فرماتے۔ خاص کر قرآن شریف میں اسی واسطے جمیع خلفاء اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ وغیرہم نے اس رسم کو تسلیم کیا ہے اور اس کے خلاف کو خلاف[20] کی جگہ جائز نہیں رکھا۔ اور بعض اہلِ کشف[21] نے اس رسم خاص میں بڑے بڑے اَسرار[22] بیان کیے ہیں۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رسم بمنزلہ حروفِ مُقطّعات اور آیاتِ متشابہات کے ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا

[18] یعنی بغیر اعراب اور بغیر نقطوں کے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ حرکتیں تھیں اور نہ نقطے محض حروف کی شکلیں ہی تھیں۔ اب رہا یہ سوال کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعراب اور نقطے کیوں نہیں لگائے؟ اس سوال کا جواب رسم کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔ ۱۲

[19] یعنی عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کا زمانہ۔ ۱۲

[20] اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ غیر مطابق رسم کو تلفظ کے مطابق کر دینے کو جائز نہیں رکھا، کیونکہ غیر مطابق کا "خلاف" مطابق ہے جس کو اسکے خلاف یعنی غیر مطابق کی جگہ جائز نہیں رکھا:۔

پس اَلرَّحْمٰن بلا الف اور لَاَ اْذْبَحَنَّهٗ بالالف زائد کے "خلاف" یعنی اَلرَّحْمَان بالالف اور لَاَذْبَحَنَّهٗ بلا الف زائد کو اسکے خلاف یعنی اَلرَّحْمٰن بلا الف اور لَاَ اْذْبَحَنَّهٗ بالالف زائد کی جگہ جائز نہیں رکھا۔ ۱۲

[21] یہ اولیاء اللہ کا ایک گروہ ہے جن پر بعض دفعہ اللہ کے حکم سے بعض مخفی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

[22] اَسرار جمع سِر کی ہے جس کے معنیٰ راز اور بھید کے آتے ہیں، پس مطلب یہ ہے کہ بعض اولیاء

ہوتے ہیں اور قراءات دو قسم پر ہے :- ایک تو وہ قراءات ہے جسکا پڑھنا صحیح ہے اور اس کی "قرآنیت" کا اعتقاد کرنا ضروری اور لازمی ہے، اور انکار اور استہزاء گناہ اور کفر ہے اور یہ وہ

میں جو فَعْلٰی، فِعْلٰی، فُعْلٰی کے وزن پر یا ان کے مشابہ ہوں، دو وجوہ یعنی فتحہ اور امالہ صحیح اور جائز ہیں۔ لیکن ان اختلافات اور ان قراءات کا پڑھنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وَلَا یُقْبَلُ میں تذکیر کس قاری کی قراءۃ ہے اور تانیث کس کی، ایسے ہی اَلْقُدُسُ میں ضمہ کس کے لیے ہے اور سکون کس کیلئے، اَلْبُیُوْتِ میں کسرہ کس کیلئے ہے اور ضمہ کس کیلئے، جَذْوَةٍ میں فتحہ کس کی قراءۃ ہے، کسرہ کس کی اور ضمہ کس کی اور مُوْسٰی، عِیْسٰی وغیرہ میں فتحہ کس کے لیے ہے اور امالہ کس کیلئے۔ بس علم قراءات میں قرآنی کلمات کے یہی اختلافات بیان کیے جاتے ہیں اور متن میں اختلافِ الفاظ سے مراد اسی نوعیت کے اختلافات ہیں۔

پس مطلب مؤلف رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ جس طرح قاری مقری کیلئے علم تجوید، علم اوقاف اور علم رسم کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم قراءات کو جانے تاکہ اس کو معلوم ہو کہ فلاں کلمہ کو کس کس طرح پڑھا جا سکتا ہے اور فلاں کو کس کس طرح اور یہ بھی معلوم ہو کہ وہ جس قاری کی قراءۃ یا جس راوی کی روایت میں پڑھ رہا ہے اس کا اس اختلافی کلمہ میں کیا مذہب ہے اور وہ اس کو کس طرح پڑھتا ہے تاکہ خلط فی القراءات یا فی الروایت نہ ہونے پائے، کیونکہ یہ حرام اور ممنوع ہے جیساکہ اوجہ مد کی بحث کے آخر میں اختلافِ مرتب اور خلط فی الروایت کے بیان میں اس مسئلہ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

رہا یہ سوال کہ آخر اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ قاری تمام قراءتوں کو جانے، کیا یہ کافی نہیں کہ ایک ہی روایت کے مسائل کو سیکھ کر اسی کو پڑھنا پڑھانا شروع کر دے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ تمام قراءتوں کا جاننا اور ان کا سیکھنا اگرچہ فرضِ عین تو نہیں لیکن فرضِ کفایہ ضرور ہے تاکہ کلماتِ قرآنیہ کی مختلف ادائیں محفوظ رہ سکیں۔ اور اگر ساری امت ان مختلف قراءتوں کا سیکھنا سکھانا اور ان کا پڑھنا پڑھانا ترک کر دے تو اس سے قرآن مجید کی بہت سے لغات متروک ہو جائیں گی جو پوری امت کیلئے بڑی محرومی اور نقصان کی بات ہوگی، اسلئے ان قراءتوں کی حفاظت بھی بلاشبہ ضروریاتِ دین

قراءات ہیں جو قرّاء عشرہ[25] سے بطریق تواتر اور شہرت[26] ثابت[27] ہوئی ہیں۔ اور جو قراءات ان

میں سے ہے۔ علاوہ ازیں علم قراءات کے جاننے اور اسکے حاصل کرنے سے علم تفسیر میں بھی بہت مدد ملتی ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں جن کا تفصیلی بیان قراءات ہی کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔۱۲ ○○○○○

[۲۵] یعنی دس قاری۔ اور مراد ان سے مندرجہ ذیل دس حضرات ہیں:۔

۱	۲	۳	۴	۵
امام نافع مدنی	امام ابن کثیر مکی	امام ابوعمرو بصری	امام ابن عامر شامی	امام عاصم کوفی

۶	۷	۸	۹	۱۰
امام حمزہ کوفی	امام کسائی کوفی	امام ابوجعفر مدنی	امام یعقوب حضرمی	امام خلف کوفی

ان دس حضرات رحمہم اللہ کو صاحبِ اختیار ائمہ بھی کہتے ہیں۔ وجہ آئندہ حاشیہ میں آرہی ہے۔۱۲

[۲۶] بطریق تواتر اور شہرت ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قراءتیں ان حضرات سے ایسی مسلسل اور لگاتار نقل کے ذریعہ پہنچیں اور ثابت ہوئی ہیں جس میں جھوٹ اور غلط بیانی کا امکان نہیں۔ اور جو قراءتیں بطریق تواتر اور شہرت ثابت ہوئی ہیں ان کو قراءاتِ متواترہ ومشہورہ کہتے ہیں۔ بس قراءاتِ متواترہ ایسی قراءتوں کو کہتے ہیں جن کے نقل کرنے والے اور اگلوں سے پچھلوں تک پہنچانے والے ہر زمانہ میں اتنے کثرت سے رہے ہوں کہ ان کا غلط بیانی کرنا عقلاً محال ہو اور ان قراءتوں کا یہی حال ہے۔۱۲

[۲۷] قراءتوں کی اُن حضرات کی طرف نسبت اور اُن سے اِن قراءتوں کے ثابت ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حضرات ان قراءتوں کے معاذ اللہ موجد ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی جانب سے قرآن میں ایک حرف بھی نہیں پڑھا بلکہ وہی پڑھا جو انہیں نہایت معتبر اور ثقہ شیوخ کے واسطے سے خود نبی کریم ﷺ سے پہنچا تھا، بلکہ اُن کی طرف قراءتوں کی نسبت اسلئے کی جاتی ہے کہ انہوں نے اختلافی کلمات میں اپنے لیے ان وجوہ کو اختیار کرلیا تھا جو اُن کے نزدیک عربیت میں قوی تر اور رسم کے موافق تھیں۔ مثال کے طور پر ایک نے وَلَا يُقْبَلُ میں تذکیر کو اختیار کیا اور دوسرے نے تانیث کو، ایسے ہی ایک نے جَذْوَةٍ میں فتحہ کو اختیار کیا، دوسرے نے کسرہ کو اور تیسرے نے ضمہ کو، علیٰ

سے بطریقِ تواتر اور شہرت ثابت نہیں ہوئیں یا ان کے ماسوا سے مروی ہیں وہ سب شاذّہ[۲۸] ہیں۔ اور شاذّہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا پڑھنا "قرآنیت" کے اعتقاد سے یا اسطرح کہ سامع کو قرآن شریف پڑھے جانے کا وہم ہو، حرام اور ناجائز ہے۔ آج کل یہ بلا بہت ہو رہی ہے کہ کوئی قراءاتِ متواترہ پڑھے تو مسخراپن کرتے ہیں اور ٹیڑھی بانکی قراءۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض حفاظ قاری صاحب بننے کو تفسیر وغیرہ دیکھ کر اختلافِ قراءات سے پڑھنے لگتے ہیں اور یہ تمیز نہیں[۲۹] ہوتی کہ یہ کونسی قراءۃ ہے، آیا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں اور شاذ ہے یا متواتر۔

ہذا القیاس ایک نے مُوْسٰی، عِیْسٰی جیسے کلمات میں اپنے لیے فتحہ والی وجہ کو اختیار کرلیا اور دوسرے نے امالہ والی وجہ کو وغیرہ وغیرہ۔ تو اس تذکیر وتانیث، یا فتحہ، ضمہ اور کسرہ، یا فتحہ اور امالہ کو انہوں نے اپنی جانب سے پڑھنا شروع نہیں کر دیا تھا، بلکہ یہ تمام وجوہ اُن تک اُن کے شیوخ اور اساتذہ کی وساطت سے خود آنحضرت ﷺ سے پہنچی تھیں۔ بس انہوں نے صرف اتنا ہی کیا کہ ایک کلمہ کی مختلف وجوہ اور مختلف قراءتوں میں سے اپنے لیے ایک کو اختیار کرلیا اور پھر عمر بھر اسی کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہے، بس اسی بناء پر ان قراءتوں کی نسبت ان حضرات کی طرف کی جاتی ہے اور اسی لیے ان کو صاحبِ اختیار ائمہ کہتے ہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔ ۱۲

[۲۸] شاذّہ مقابل ہے متواترہ کا۔ بس قراءاتِ شاذہ ایسی قراءتوں کو کہتے ہیں جن کے نقل کرنے والوں کی اتنی کثرت نہ رہی ہو، چنانچہ یہ اسی صورت سے نقل ہوتی رہی ہیں۔ ۱۲

[۲۹] اس لیے کہ کتبِ تفسیر میں تو صرف یہی چیز بیان کی جاتی ہے کہ اس کلمہ میں اتنی اور یہ یہ قراءتیں ہیں، یہ بات بیان نہیں کی جاتی کہ ان میں سے فلاں قراءۃ کس امام سے منقول ہے اور فلاں کس سے اور یہ بحث بھی نہیں کی جاتی کہ ان قراءتوں میں سے متواتر کونسی ہے اور شاذ کونسی۔ یہ ساری تفصیلات تو قراءات ہی کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ بس تفاسیر دیکھنے سے نفسِ قراءۃ کا علم تو ہو سکتا ہے لیکن ان کے متواترہ یا شاذہ ہونے کا علم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان کی نسبت کا پتہ چل سکتا ہے، اسی لیے مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمیز نہیں ہو سکتی، لہٰذا جس شخص کو مختلف قراءتوں کے پڑھنے کا

بعض مباح[۲]، بعض مستحب کہتے ہیں۔ پھر اطلاق اور تقیید[۳] میں بھی اختلاف ہے، مگر قولِ محقق

* الحان تو عربوں کی طرزِ طبعی کا نام ہے۔
* اور انغام آواز کے مد و جزر اور اتار چڑھاؤ کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو قواعدِ موسیقیہ کے تحت پیدا کی جاتی ہے۔

چنانچہ اسی فصل میں کچھ آگے چل کر خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی لہجہ اور نغمہ دونوں کی حقیقت الگ الگ بیان فرمائی ہے، اور مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ الحان تو محمود اور مأمور بہ ہے جیساکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:۔

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا... (بیہقی)۔ (دیکھو معلم التجوید، خاتمہ: فصل سوم)۔ اور انغام مذموم اور منہی عنہ ہے جو قراءۃ قرآن میں جائز نہیں۔ یوں بھی محاورہ اور زبان کے استعمال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الحان اور لہجہ کا استعمال قرآن مجید ہی کیساتھ مخصوص ہے اور نغمہ کا استعمال قرآن کیلئے نہیں ہوتا۔ اسکا استعمال شعر اور غزل وغیرہ کو ذوق وشوق اور ترنم کیساتھ پڑھنے پر ہوتا ہے، مگر چونکہ مؤلف رحمہ اللہ کو ان دونوں کے متعلق کچھ کہنا تھا اور دونوں ہی کا حکم بیان فرمانا تھا اسلئے عنوان میں بھی ان دونوں ہی کا ذکر فرما دیا، لیکن چونکہ دونوں کی حقیقت الگ الگ اور ایک دوسرے سے مختلف تھی اسلئے آگے چل کر دونوں کا فرق بھی بیان فرما دیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

[۲] لیکن استحباب واباحت کا حکم الحان اور لہجہ ہی سے متعلق ہے، ورنہ انغام یعنی قواعدِ موسیقیہ کے تحت قرآن شریف پڑھنا قطعاً نادرست اور ممنوع ہے۔ اسکے مستحب یا مباح ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں! اگر قاری کے ارادہ یا اختیار کے بغیر از خود موسیقی کا کوئی قاعدہ پایا جائے تو اس پر انشاء اللہ مواخذہ نہیں ہوگا بشرطیکہ قاری قواعدِ تجوید کی پوری پوری پابندی کرے اور تحسینِ صوت اور لہجہ کے اہتمام میں ان اصول اور قواعد کو نظر انداز نہ کرے جو ائمہ ادا سے منقول ہیں۔ ۱۲

[۳] اِطْلَاق کے معنٰی ہیں: کسی شرط اور پابندی کا نہ لگانا، اور تَقْيِيْد اسکا مقابل ہے جسکے معنٰی ہیں: شرط اور پابندی کا لگانا۔ پس مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ الحان اور لہجہ کو علی الاطلاق یعنی کسی پابندی اور شرط کے بغیر حرام یا مکروہ یا مباح یا مستحب کہتے ہیں اور بعض پابندی اور شرط لگا کر حکم

اورمعتبر یہ ہے کہ اگر قواعدِ موسیقیہ[4] کے لحاظ سے قواعدِ تجوید کے بگڑ[5] جائیں تب تومکروہ یا حرام

لگاتے ہیں، مثلاً یہ کہ :۔

❋ اگر الحان کے ساتھ پڑھنے میں لحنِ جلی واقع ہوتو ایسا الحان اور لہجہ حرام ہے۔

❋ اگر لحنِ خفی واقع ہوتو ایسا لہجہ مکروہ ہے۔

❋ اگر الحان اور لہجہ کے ساتھ پڑھنے میں لحنِ جلی نہ واقع ہوتو ایسا لہجہ مباح ہے۔

❋ اگر لہجہ کے ساتھ پڑھنے میں لحنِ خفی بھی نہ واقع ہوتو ایسا الحان اور لہجہ مستحب ہے۔

مگر تقیید والا قول ہی احب اور پسندیدہ ہے، لہجہ کو علی الاطلاق جائز کہنا صحیح نہیں۔ چنانچہ آگے خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی تقیید والے قول ہی کو قولِ محقق اور معتبر فرمایا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: [مگر قولِ محقق اورمعتبر یہ ہے کہ اگر قواعدِ موسیقیہ کے لحاظ سے قواعدِ تجوید کے بگڑ جائیں تب تومکروہ یا حرام ہے، ورنہ مباح یا مستحب]۔ اور حدیث سے بھی تقیید والے قول ہی کی تائید ہوتی ہے :۔

📖 چنانچہ حدیث میں الحان کے جائز ہونے کیلئے اَلْعَرَبِ کی قید لگائی گئی ہے (یہ حدیث اوپر حاشیہ نمبر ایک میں بیان ہوچکی ہے)، پس لہجہ وہی مَامور بہ ہے جو عربوں کا ہو اور ساتھ ہی اسی حدیث میں آپ نے اس لہجہ کی بھی نشاندہی فرمادی ہے جو منہی عنہ ہے :۔

📖 چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :... وَاِیَّاکُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْفِسْقِ وَاَهْلِ الْكِتَابَيْنِ... (شعب الایمان: بیہقی) یعنی فاسقوں اور یہود ونصاریٰ کے لہجوں سے بچو۔۱۲

[۴] علم موسیقی اس علم کا نام ہے جس میں راگ راگنیوں اور گانے بجانے سے متعلق بحث کی جاتی ہے اور اس فن کے قواعد بیان کیے جاتے ہیں۔۱۲

[۵] لیکن قواعدِ موسیقیہ سے قواعدِ تجوید اسی صورت میں بگڑتے ہیں جب قاری حروف کی صحتِ ادا سے قطع نظر کرکے محض لہجہ ہی کے دَر پے ہوجائے اور آواز کے مدوجزر اور اسکے اتار چڑھاؤ ہی کو اپنا مقصود بنالے۔ ورنہ جو لہجہ تجوید کی حدود کے اندر رہ کر بنایا جاتا ہے اس سے تو مشق میں اور پختگی پیدا ہوتی ہے اور قواعدِ تجویدیہ پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔۱۲

ہے، ورنہ مباح ہے یا مستحب۔ اور مطلقاً تحسینِ صوت سے پڑھنا مع رعایتِ قواعدِ تجوید کے مستحب اور مستحسن ہے جیسا کہ اہل عرب عموماً خوش آوازی سے اور بلا تکلّف بلا رعایت قواعدِ موسیقیہ کے بلکہ اکثر قواعدِ موسیقیہ سے ذرّہ بھر بھی واقف نہیں ہوتے اور نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھتے ہیں اور یہ خوش آوازی ان کی طَبَعی اور جبلی ہے۔ اسی واسطے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنے لہجہ کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے بخلاف انغام کے، کہ ان کے اوقات مقرر ہیں کہ دوسرے وقت میں نہیں بنتے اور نہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوگیا کہ نغم اور لہجہ میں کیا فرق ہے۔ "طرزِ طبعی" کو لہجہ کہتے ہیں بخلاف نغم کے۔

۶ یعنی لہجہ کی رعایت کا خیال کیے بغیر۔ مطلب مؤلف رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ الحان کیساتھ پڑھنے میں تو کچھ اختلاف ہے بھی لیکن خوش آوازی کیساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، یہ بلاشبہ مستحب و مأمور بہ ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اگر تحسینِ صوت مستحسن ہے تو لہجہ بھی یقیناً مستحسن و مستحب ہی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حُسنِ صوت کا اظہار بغیر لہجہ کے نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ کہ حدر میں تلاوت کرنے والا تو لہجہ سے ایک حد تک گریز کر بھی سکتا ہے لیکن تدویر اور بالخصوص ترتیل میں تلاوت کرنے والے کے لیے تو لہجہ سے کسی طرح بھی مَفر نہیں ہوسکتا۔ اور اہلِ فن جانتے ہیں کہ جس طرح حدر میں پڑھنا مشائخ کا معمول ہے اسی طرح تدویر اور ترتیل میں پڑھنا بھی مشائخ ہی کا معمول اور پسندیدہ انداز ہے۔ قراء سبعہ میں سے بعض حضرات کے ہاں تدویر اور بعض کے ہاں ترتیل خصوصیّت کے ساتھ معمول بہ تھی۔ چنانچہ علّامہ شاطبی رحمہ اللہ نے امام حمزہ کوفی رحمہ اللہ کے وصف میں لِلْقُرَانِ مُرَتِّلَا فرمایا ہے (قصیدۂ شاطبیہ: ۳۷)۔ ہاں لہجہ کے جائز ہونے کیلئے جو معیار اوپر متن میں بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ قواعدِ تجوید نہ بگڑنے پائیں، اس کو ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ ۱۲

۷ مگر ہر شخص کی طرزِ طبعی کا نام لہجہ نہیں بلکہ صرف ان خالص عربوں ہی کی طرزِ طبعی کو لہجہ کہیں گے

اب یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ اِنغام [۵] کسے کہتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ تحسینِ صوت کے واسطے جو خاص قواعد مقرر کیے گئے ہیں ان کا لحاظ کر کے پڑھنا:۔ یعنی کہیں گھٹانا کہیں بڑھانا، کہیں جلدی کرنا کہیں نہ کرنا، کہیں آواز کو پست کرنا کہیں بلند کرنا، کسی کلمہ کو سختی سے ادا کرنا کسی کو نرمی سے، کہیں رونے [۹] کی سی آواز نکالنا، کہیں کچھ کہیں کچھ، جو جانتا ہو وہ بیان کرے!! البتہ جو بڑے بڑے اس فن کے ماہر ہیں ان کے قول یہ سنے گئے ہیں کہ اس سے کوئی آواز خالی نہیں ہوتی، ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی قاعدہ موسیقی کا پایا جائیگا۔ خصوصًا

جن کے اندازِ گفتگو اور اندازِ قرآن خوانی کو عجمیت نے متاثر نہ کیا ہو! رہے عجمی لوگ؟ سو انہیں تو عربی لہجہ سیکھنے کیلئے مشق کرنی ہی پڑے گی، ورنہ اگر ہر شخص کی طرزِ طبعی کو لہجہ کا نام دے دیا جائیگا تو ظاہر ہے کہ اس سے بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ کی قید بالکل بیکار ہو کر رہ جائے گی اور ہر قرآن پڑھنے والا خواہ وہ پنجابی ہو یا بنگالی، سندھی ہو یا افغانی، پشتون ہو یا ایرانی، اپنے ماحول کی نغمہ سرائی کو قرآنی لہجہ ہی سے موسوم کریگا، اور اسکا غلط ہونا ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجوّدین جہاں اپنے طلبہ کو الفاظِ قرآنیہ کی صحتِ ادا سکھلاتے ہیں وہاں وہ ان کو بڑے اہتمام سے عربی لہجوں کی مشق بھی کراتے ہیں چنانچہ حسینی، مصری، حجازی، رَکبی، مایہ، مُحطّا، عُشّاقی، یہ سب عربی لہجوں ہی کے نام ہیں۔ ۱۲

[۸] نغمہ اور لہجہ کے فرق کو طلبہ اسطرح سمجھیں کہ نغمہ قواعدِ موسیقیہ کے تابع ہے اور لہجہ قواعدِ تجویدیہ کے تابع۔ مطلب یہ ہے کہ پڑھنے والا اگر آواز میں اتار چڑھاؤ اور مد و جزر اُن قواعد کے تحت پیدا کرے جو علم موسیقی کے مُوجدین نے وضع کیے ہیں تب تو یہ اِنغام کہلائے گا اور اگر پڑھنے والا اپنے آپ کو قواعدِ تجوید کا پوری طرح پابند بنا کر آواز میں حُسن پیدا کرے تو یہ اِلحان کہلائیگا اور اس کے مستحسن اور مستحب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ خواہ یہ الحان خود بخود اور قاری کے ارادہ واختیار کے بغیر کسی درجہ میں قواعدِ موسیقیہ کے ساتھ منطبق ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ۱۲

[۹] لیکن اگر رونے کی آواز اللہ تعالیٰ کے خوف یا اس کے عذاب کے تصور سے ہو تو اس صورت میں یہ کیفیت مذموم نہیں بلکہ محمود اور مستحسن ہے۔ ۱۲

دوسرا حاشیہ: جو غنہ اور نونِ مخفاۃ کے بارے میں ہے

''غنہ'' صوتِ خیشومی کا نام ہے اور یہ سب حرفوں میں ممکن الادا ہے، مگر نون و میم میں یہ صفتِ لازمہ کے طور سے ہے اور جب یہ دونوں حرف مشدّد یا مخفی یا مدغم بالغنّہ ہوں تو اس وقت یہ صفت علیٰ وجہ الکمال پائی جاتی ہے۔ اور ان حالتوں میں خیشوم کو ایسا دخل ہے کہ بغیر اس صفت کے ن م بالکل ادا ہی نہ ہوں گے، یا نہایت ناقص ادا ہوں گے، لہٰذا قراء نے لکھا ہے کہ ن م کا مخرج ان حالتوں میں خیشوم ہے۔ اب کئی اعتراض ہوتے ہیں:۔

❁ اول یہ کہ سب صفاتِ لازمہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ بغیر ان کے حرف ادا نہیں ہوتا تو سب کا مخرج بیان کرنا چاہیے اور مخرج بدلنا چاہیئے یا دو مخرج لکھنے چاہئیں؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ صفتِ غنہ کا مخرج سب مخارج سے علیٰحدہ ہے اس واسطے بیان کرنے کی حاجت ہوئی بخلاف اور صفات کے، کہ انہی مخارج سے تعلق رکھتی ہیں جہاں سے حروف نکلتے ہیں۔

❁ دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ نون مشدّد اور مدغم بالغنّہ اور میم مطلقاً خواہ مشدّد ہو یا مخفی، ان صورتوں میں اصلی مخارج سے نکلنے میں تبدیل مخرج تو نہیں معلوم ہوتا؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ مخرج اصلی کو بھی دخل ہے اور خیشوم کو بھی تاکہ علیٰ وجہ الکمال ادا ہوں۔

❁ تیسرا شبہ یہ ہے کہ نون مخفی کو بعض قراء زمانہ لکھتے ہیں کہ اس میں لسان کو ذرہ بھر دخل نہیں اور کتبِ تجوید کی بعض عبارات سے اس کی تائید ہوتی ہے، مگر جب غور وخوض کیا جائے اور سب کے اقوالِ مختلفہ پر نظر کی جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ نون مخفی میں لسان کو بھی دخل ہے مگر ضعیف اور اسی وجہ سے کالعدم سمجھا گیا جیسا کہ حروفِ مدّہ میں اعتمادِ ضعیف سے قطع نظر کر کے خلیلؒ وغیرہ نے ان کا مخرج جوف بیان کیا ہے۔ ایسا ہی نون مخفی کا حال ہے کہ اسکی تعریف یہ کی جاتی ہے: حَرْفٌ خَفِيٌّ يَخْرُجُ مِنَ الْخَيْشُوْمِ لَا عَمَلَ لِلِّسَانِ فِيْهِ (ایک خفی حرف ہے جو ناک کے بانسہ سے نکلتا ہے اور اسکی ادائیگی میں زبان کو کچھ کام نہیں کرنا پڑتا)۔ اب لَا عَمَلَ لِلِّسَانِ کو دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ لسان کو ذرّہ بھر دخل نہیں کیونکہ ''نکرہ'' منفی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اگر یہ صحیح

صفتِ رخاوت کی وجہ سے ان میں تشابہ صوتی پیدا ہو گیا، یہ وجہ ہے تشابہ کی بخلاف جیم و دال کے کہ ان میں یہ وجوہ نہیں، اب تشابہ ضاد و ظاء میں ثابت ہو گیا!!

مگر ایسا تشابہ کہ حرفِ ضاد قریب حرفِ ظاء کے مسموع ہو، اس طرح کا تشابہ ممنوع ہے، اسی کو ابن حاجب اور رضی رحمہ اللہ نے مستہجن لکھا ہے، کیونکہ باعثِ تشابہ صفتِ رخوۃ ہے اور یہ صفت ضاد میں بہ نسبت ظاء کے ضعیف ہو گئی ہے، اس واسطے کہ ضاد میں صفت اطباق کی بہ نسبت ظاء کے قوی ہے اور لامحالہ جتنی صفتِ اطباق قوی ہو گی اتنی ہی صفتِ رخاوت میں ضعف پیدا ہو گا، کیونکہ اطباقِ محکم، منافی رخاوت ہے۔

دوسری وجہ ضعفِ رخاوت یہ ہے کہ ضاد کا مخرج مجریٰ صوت وہوا سے ایک کنارے واقع ہوا ہے بخلاف مخرجِ ظاء کے کہ وہ محاذات میں واقع ہے، اسی وجہ سے ظاء میں رخاوت قوی ہے اور جب رخاوت قوی ہوئی تو لامحالہ اطباق ضعیف ہو گا۔

ماحصل یہ کہ جب ضاد کو اپنے مخرج سے مع جمیع صفات ادا کیا جائے گا تو اس وقت اس کی صوت اہل عرب کے ضاد کی صوت سے جو آج کل مروّج ہے مشابہ ہو گی اور ظاء کے ساتھ بھی تشابہ ہو گا، مگر کم درجہ میں۔ اس واسطے کہ ضاد میں اطباق و تفخیم بہ نسبت ظاء کے زیادہ ہے، کیونکہ رخاوت "ظاء" کی بہ نسبت "ضاد" کے قوی ہے اور رخاوت و اطباق میں تقابل ہے، ایک قوی ہو گی دوسری ضعیف ہو گی:۔

❁ اب اگر ضاد میں صفتِ رخاوت زیادہ ہو جائے گی تو اَشْبَہ بظاء ہو جائے گا اور اسی کو صاحبِ شافیہ اور رضی رحمہ اللہ نے مستہجن لکھا ہے۔

❁ اور اگر اطباق قوی ادا کیا جائیگا مع رخاوت کے تو اَشْبَہ بضاد مروّج بین العرب ادا ہو گا اور کسی قدر ظاء کے ساتھ بھی مشابہ ہو گا۔ بعض کتبِ تفسیر و تجوید میں جو ضاد و ظاء کو متشابہ الصوت لکھا ہے اس سے یہی مراد ہے، نہ یہ کہ ظاء مسموع ہو۔ اور اب تعارض بھی نہیں رہا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض قراءِ عجم اہلِ عرب کو کہتے ہیں کہ ضاد کی جگہ دالِ مفخم پڑھتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ دالِ مفخم کوئی حرف ہی نہیں، اس واسطے کہ دال کی صفتِ ذاتی استفال،

انفتاح اور مخرج طرفِ لسان اور جڑ ثنایا علیا ہے اور اہل عرب ضاد کو اپنے مخرج مع استعلاء واطباق کے عموماً ادا کرتے ہیں اور ایک حرف دوسرے مخرج مباین سے ادا ہی نہیں ہوتا۔ اور جب صفاتِ ذاتیہ بھی بدل گئیں تو دال اسے نہیں کہہ سکتے، اصل میں وہ ضاد ہے مگر صفتِ رخاوت جو قلت اور ضعف کے ساتھ اس میں پائی جاتی ہے وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہ ہوتی ہو۔ غایۃ مافی الباب یہ لحنِ خفی ہوگا۔ اور ظاء خالص پڑھنا اور دال خالص یا دال کو اپنے مخرج سے پُر کر کے پڑھنا یہ لحنِ جلی ہے، کیونکہ پہلی صورت میں صرف ایک صفت جو کہ نہایت کمزور درجہ میں تھی، اس کا ابدال یا انعدام ہوا ہے۔ باقی صورتوں میں ابدال حرف بہ حرف آخر لازم آتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تمت بعون اللہ وبحمدہ

اللفظ والمفهوم

لفظ	مفہوم
احتِباس	بند ہونا، رکنا
اِدراک	فہم، سمجھ، عقل
اسالیب	طریقے، اندازے، ڈھنگ
استغراق	کسی خیال میں ڈوب جانا
اَشبہ	بہت زیادہ مشابہت رکھنے والا
..... الخ	الیٰ آخرہ (آخر تک)
الصاق	ملانا، چپکانا
انفکاک	الگ ہونا، جدا ہونا
الفہ (اَلَّفَہٗ)	تالیف کرنے والا، مؤلف
ائمہ اَسلاف	گزشتہ زمانہ کے بزرگوں کے پیشوا
ایضاح البیان	صاف اور روشن باتیں
ایجاز واختصار	چھوٹا اور مختصر
باوجودیکہ	اس کے باوجود
تساوی	برابری، مساوات

لفظ	مفہوم
تبعیض	کچھ حصہ، بعض
تقیید	قید کرنا، مقید کرنا
تنوع	مختلف قسمیں، قسم قسم کا ہونا
توافق	مطابقت، موافقت
توضیحاتِ مرضیہ	پسندیدہ تشریحات
تیمّناً	برکت اور تبرک کیلئے
ٹیڑھی بانکی	من موجی، جو جی میں آئے
جدْوَل	نقشہ، گراف
جریان	جاری ہونا، بہاؤ
چون وچرا	حیلہ بہانہ، اگر مگر، بحث وتکرار
چہ جائیکہ	بجائے اس کے
حنک	تالو
دقیق	باریک، مشکل
ردوقدح	حجت، بحث، تکرار

لفظ	مفہوم
شاقہ	مشکل، دشوار
ضمیمہ	وہ زائد حصہ جو خلافِ معمول ہو
طَبعی اور جبلی	فطری، قدرتی، اصلی
ع	مصرع کی علامت
عبث	فضول، بیکار، بے فائدہ
عدم لزوم	غیر ضروری
عضوین	دو عضو، دو جسم
عیاذاً باللہ	اللہ کی پناہ، خدا سے پناہ مانگنا
غایت/غایت درجہ	غرض، مطلب/ حد درجہ
غایۃ مافی الباب	اس موضوع پر فیصلہ کن بات
فَتَأَمَّلْ	پس سوچو اور غور کرو!
قرن	زمانہ
کُنہ	بات کی تہ، اصل حقیقت
لامحالہ	یقیناً، ضرور بالضرور
لُبِّ لُباب	خلاصے کا خلاصہ
ماحصل	نفع و نتیجہ، خلاصہ کلام
متحیر	حیرت زدہ، حیران
متداوَل	مروج، دست بدست پہنچ

لفظ	مفہوم
مترشح	بات سے نکتہ کا نکلنا
مجال	طاقت، حوصلہ
مجرئ صوت	آواز کے جاری ہونے کی جگہ
مدلول	دلیل والا
مذموم	بُرا، خراب، قبیح، مذمت کیا گیا
مُراجعت	رجوع کرنا، واپسی، لوٹنا
مستہجنہ، مستہجن	ردی اور ناقص
مستحب	پسندیدہ
مصداق	سچائی کا ثبوت، تصدیق شدہ
مُصرَّح	واضح کیا گیا، تفصیل کیا گیا
مطلق، مطلقاً	بلا قید، آزادانہ، غیر مشروط
مغلق	بند کیا گیا، مشکل، بعید از فہم
مفَر	جائے فرار، بھاگنے کی جگہ
مقطع	مخرج، مکمل حصہ
مکرر سکرر	دوبارہ تبارہ، بار بار، کئی بار
نص	قطعی حکم، ظاہر اور واضح
مبدا	شروع ہونے کی جگہ
ہندی کی چندی	خوب چھان بین، آسان تر

عربی جملے اور ان کا مطلب

عربی جملہ	مطلب
فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ عَنَّا وَعَنْ كَافَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ	پس اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کو بہترین صلہ عطاء فرمائے
خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ	عمدہ ترین بات وہ ہے جو مختصر بھی ہو اور مدلل بھی
وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ، وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ	اللہ تبارک وتعالیٰ کو کچھ بھی مشکل نہیں، اور وہی تو ہے جو مجھے کافی ہے اور بہترین کارساز بھی
لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ	اکثر کا حکم سب کیلئے حکم کا درجہ رکھتا ہے
كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ تَاَمَّلَ	ان سے پوشیدہ نہیں جو سمجھ بوجھ کا استعمال کرتے ہیں
فَالْقَوِيُّ يَغْلِبُ عَلَى الضَّعِيْفِ	پس "طاقت ور" ضعیف پر غالب آجاتا ہے
لَا مُنَاقَشَةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ	علم وفن کی "اصطلاحات" میں جھگڑنے کی گنجائش نہیں
وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ	اللہ تبارک وتعالیٰ کو کچھ بھی مشکل نہیں
كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ	بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے
تَمَّتْ بِالْخَيْرِ	مکمل ہوا خیر کے ساتھ
تَمَّتْ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ	اللہ تعالیٰ کی مدد اور اسی کی تعریف کیساتھ مکمل ہوا

فارسی جملے اور ان کا مطلب

فارسی جملہ	مطلب
گر قبول افتد، زہے قسمت	قبول ہو جائے تو میرے لئے سعادت ہے
گر قبول افتد زہے عز وشرف	قبول ہو جائے تو باعث عزت وشرف ہے

إن أول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعالمين
مكتبة القراءة لاهور

Published by:

Maktabatul-Qira-at. 143-B, Model Town, Lahore-54700, Pakistan.